معاشرتی علوم
برائے طلباء وطالبات
درجہ متوسطہ
8
تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان

درجہ متوسطہ

تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان

پبلیشرز

تنظیم المدارس اہلسنت (پاکستان)

8-راوی پاک راوی روڈ لاہور پاکستان

042-37731045

فہرست

باب نمبر1

نظام کائنات

آپ ہر روز آسمان پر سورج اور رات کو بے شمار ستاروں، سیاروں اور چاند کو دیکھتے ہیں۔ان کو اجرام فلکی کہا جاتا ہے۔یہ اجرام فلکی مل کر کئی اقسام کے نظام بناتے ہیں۔ان نظاموں میں سے ایک نظام شمسی ہے۔

نظام شمسی:۔

سورج دوسرے ستاروں کی طرح ایک ستارہ ہے۔یہ خود روشن ہے اور حرارت پیدا کرتا ہے۔بعض اجرام فلکی جیسا کہ زمین اور چاند خود روشن نہیں ہیں۔ان پر جب سورج کی روشنی پڑتی ہے تو یہ چمکنے لگتے ہیں۔

نظام شمسی میں کل آٹھ بڑے سیارے شامل ہیں۔ہر سیارے کے اپنے ذیلی سیارے بھی ہوتے ہیں جو اپنے اپنے سیارے کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں۔مثلاً ہماری زمین کا چاند۔

بڑے سیاروں کے نام یہ ہیں:۔

۱۔عطارد	۲۔زہرہ	۳۔زمین	۴۔مریخ
۵۔مشتری	۶۔زحل	۷۔یورینس	۸۔نیپچون

ان میں سب سے بڑا سیارہ مشتری اور سب سے چھوٹا سیارہ عطارد ہے۔یہ تمام سیارے سورج کے گرد مقررہ راستوں یا مداروں میں گردش کرتے ہیں۔تمام سیارے اپنے اپنے مداروں پر سورج کے گرد ایک ہی رخ میں گھومتے ہیں۔ہر سیارہ ایک خاص مدت میں سورج کے گرد ایک چکر مکمل کرتا ہے۔

سورج سے ان بڑے سیاروں کا فاصلہ، سورج کے گرد ایک چکر پورا کرنے کی مدت اور ہر سیارے کے ذیلی سیاروں یا چاند کی تعداد درج ذیل چارٹ میں دی گئی ہے۔

نمبر شمار	نام سیارہ	قطر (کلومیٹروں میں)	سورج سے فاصلہ (ملین کلومیٹروں میں)	سیٹلائیٹس کی تعداد	سورج کے گرد ایک چکر کی مدت
1	عطارد	4990	57.9	کوئی نہیں	88دن
2	زہرہ	12112	108.23	کوئی نہیں	225دن
3	زمین	12756	149.6	ایک	365دن 6 گھنٹے

	مریخ	6760	227.7	دو	ایک سال322دن
5	مشتری	142700	778.12	سولہ	11سال
6	زحل	114310	1425	انیس	29سال168دن
7	یورینس	52200	2873	سترہ	84سال
8	نیپچون	49500	4498	آٹھ	165سال

زمین:۔

سائنس دانوں کا خیال ہے کہ آج سے کروڑوں سال پہلے زمین سورج کا حصہ تھی۔ پھر سورج سے علیحدہ ہو کر اس کے گرد گھومنے لگی۔ اس وقت یہ گیسوں اور گرم سیال مادے کا ایک مجموعہ تھی۔ آہستہ آہستہ اس کا بیرونی حصہ سرد ہونا شروع ہو گیا اور وہاں نباتات اگنے لگیں۔ زمین کے اندرونی حصے میں اس وقت بھی گرم سیال مادہ موجود ہے۔ جوں جوں زمین کے اندرونی حصے کی طرف جائیں، حرارت بڑھتی جاتی ہے، حتیٰ کہ اندرونی حصہ انتہائی گرم ہے۔ اس لحاظ سے زمین کو عام طور پر تین تہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1۔ قشرارض:۔

زمین کا بالائی حصہ قشرارض کہلاتا ہے۔ اس کی موٹائی کہیں زیادہ ہے اور کہیں کم۔ اوسط موٹائی 35 کلومیٹر ہے۔ یہاں نرم چٹانیں پائی جاتی ہیں۔

2۔ درمیانی حصہ:۔

قشرارض کے نیچے زیادہ تر بسالٹ کی چٹانیں پائی جاتی ہیں۔ یہ سخت چٹانیں ہیں۔ ان کی کثافت اوپر والی چٹانوں سے زیادہ ہے۔ اس حصے میں شدید گرمی کی وجہ سے کچھ چٹانیں پگھلی ہوئی ہیں۔ یہ پگھلا ہوا مادہ آتش فشانی کے وقت قشرارض کو پھاڑ کر باہر نکل آتا ہے۔ اس پگھلے ہوئے مادے کو لاوا کہتے ہیں۔ زمین کے اس حصے کی اوسط موٹائی 2900 کلومیٹر ہے۔

3۔ اندرونی حصہ:۔

زمین کا اندرونی حصہ لوہے اور نکل کی دھاتوں پر مشتمل ہے۔ ان کی کثافت پہلی تمام چٹانوں سے زیادہ ہے۔ یہاں بھی شدید گرمی ہے۔ کچھ چٹانیں پگھلی ہوئی ہیں لیکن کچھ چٹانیں بہت زیادہ دباؤ کی وجہ سے پھر

ٹھوس شکل اختیار کر گئی ہیں۔ زمین کے اس حصے کی اوسط موٹائی قریباً 2250 کلومیٹر ہے۔

چاند:۔

چاند بھی زمین کی طرح روشنی اور حرارت کے لیے سورج کا محتاج ہے۔ چاند زمین کے گرد قریباً 28 دنوں میں ایک چکر لگاتا ہے۔ قمری سال 355 دن کا ہوتا ہے۔ پہلے دن کے چاند کو ہلال کہا جاتا ہے جو بہت باریک ہوتا ہے۔

چودھویں رات کو چاند پورا نظر آتا ہے اور اس کی روشنی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ چودھویں رات کے چاند کو بدر کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد چاند گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور رات کو دیر سے نمودار ہوتا ہے۔ اکیسویں رات کو چاند پھر آدھا نظر آتا ہے۔ قمری مہینے کی آخری تاریخ کو تو چاند بالکل نظر نہیں آتا۔ ہم اس رات کو اماوس کی رات کہتے ہیں۔

اسلامی کیلنڈر کا تعلق قمری سال سے ہے اور اسلامی تہوار قمری مہینوں کے حساب سے منائے جاتے ہیں۔

جس طرح زمین سورج سے الگ ہوئی، اسی طرح چاند زمین سے الگ ہو گیا۔ وہ اپنے محور کے گرد چکر لگاتا ہوا زمین کے گرد گھومنے لگا، یوں چاند زمین کے گرد بھی گھومتا ہے اور سورج کے گرد بھی۔ البتہ چاند کا محور سورج کے متوازی ہے اس لیے اس کا ایک حصہ ہمیشہ سورج کی طرف رہتا ہے اور ایک حصہ ہمیشہ تاریکی میں۔ اب تو انسان چاند کی سطح پر قدم رکھ چکا ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ چاند بھی انہی چٹانوں سے بنا ہے جن سے زمین۔ چاند کی چٹانیں زمین کی چٹانوں کی نسبت وزن میں ہلکی ہیں۔ چاند پر جو بڑے بڑے گڑھے موجود ہیں وہ اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ وہاں شروع شروع میں بہت سے آتش فشاں پہاڑ پھٹے اور زلزلے آتے رہے۔

دُبِّ اکبر اور کہکشاں:۔

رات کے وقت شمال کی جانب آسمان پر نگاہ دوڑائیں تو سات ستاروں کا ایک جھرمٹ دکھائی دیتا ہے۔

اسے دبِّ اکبر کہتے ہیں۔ دب کا مطلب ہے ریچھ اور اکبر بڑے کو کہتے ہیں۔

اس جھرمٹ کے آخری دو ستاروں کی سیدھ میں ایک اور، بہت روشن اور جگمگاتا ہوا ستارہ نظر آتا ہے۔ اسے قطبی ستارہ کہا جاتا ہے۔ یہ ستارہ قطب شمالی کے عین اوپر ہے۔ اس لیے رات کے وقت اس کی مدد سے سمتیں معلوم کی جا سکتی ہیں۔ رات کو مطلع صاف ہو تو چھوٹے چھوٹے ستاروں کے ایک راستے کا گمان ہونے لگتا ہے۔ اسے کہکشاں کہتے ہیں۔

سورج گرہن اور چاند گرہن:۔

زمین اور چاند کی اپنی کوئی روشنی نہیں۔ ان دونوں کے ٹھوس ہونے کی وجہ سے روشنی کی شعاعیں ان

میں سے گزر بھی نہیں سکتیں۔ یہ اس وقت ہی روشن ہوتے ہیں جب ان پر سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں۔ کبھی کبھی چاند گردش کرتا ہوا سورج اور زمین کے بالکل درمیان آجاتا ہے تو سورج کی کرنیں زمین تک نہیں پہنچ پاتیں۔ ایسی حالت کو سورج گرہن کہتے ہیں۔ اس حالت میں سورج تانبے کے رنگ کی مانند نظر آتا ہے۔ جب کبھی زمین حرکت کرتی ہوئی سورج اور چاند کے درمیان آجاتی ہے تو سورج کی شعاعیں چاند تک پہنچ نہیں پاتیں۔ ایسی حالت کو چاند گرہن کہتے ہیں۔ لیکن یہ گرہن کبھی چاند کے پورے حصہ پر ہوتا ہے اور کبھی تھوڑے حصّہ پر۔

آج سے ہزاروں برس پہلے انسان کو اپنے اور اپنے اردگرد کے ماحول کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ وہ اپنے اردگرد ہونے والی عام موسمی تبدیلیوں سے خوف زدہ ہوجاتا تھا۔ مگر اس خوف کے ساتھ ساتھ انسان کو ان تمام باتوں کے بارے میں شدید حیرت بھی ہوتی تھی۔ اسی حیرت کو دور کرنے کے لیے اس نے اپنے اردگرد ہونے والے واقعات کو سمجھنا شروع کردیا۔ وہ ہر واقعے کی وجہ تلاش کرنے لگا اور اسی سے نئے نئے علوم کی ابتدا ہوئی۔

ہزاروں برس پہلے کا انسان جب رات کو آسمان کی طرف دیکھتا تو اسے آسمان پر بے شمار زیادہ یا کم روشن چیزیں نظر آتیں۔ وہ ان سب کو دیکھ کر بہت پریشان ہوتا، چاند اور سورج سے تو سخت حیرت زدہ ہوتا۔ آج بھی آسمان پر ان تمام چیزوں کے بارے میں جاننے سے پہلے ہر شخص کا یہی حال ہوتا ہے۔ بہت سے لوگوں نے آسمان پر تمام چیزوں کے بارے میں جاننے کی جستجو جاری رکھی۔ شروع میں ان لوگوں کا خیال تھا کہ چاند، سورج اور رات کو چمکنے والے ستارے دراصل زمین کے گرد گھومتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ آسمان پر ان تمام چیزوں کو کوئی ایسی قوت تھامے ہوئے ہے، جس کا ہمیں کچھ علم نہیں۔

آج سے قریباً ساڑھے چار سو سال پہلے چند عظیم سائنس دانوں نے سادہ سی دوربین سے ستاروں کے مشاہدے اور علم سے یہ نتیجہ نکالا کہ مختلف اجرام فلکی زمین کے گرد نہیں گھومتے بلکہ ان تمام کا مرکز سورج ہے۔ اس زمانے میں پادریوں کی رائے کو ہی آخری سمجھا جاتا تھا۔ پادری چونکہ زمین کو کائنات کا مرکز سمجھتے تھے اور اس سلسلے میں وہ کسی دلیل اور تجربے کی بات کو ماننا نہ چاہتے تھے۔

انہوں نے اپنے زیر اثر بادشاہوں کو حکم دیا کہ وہ ایسے سائنس دانوں کو موت کی سزا دیں۔ اس دور میں بہت سے سائنس دانوں کو جلا دیا گیا، کئی کو ملک بدر کردیا گیا یا پھر انہیں مختلف طریقوں سے پریشان کیا گیا۔ یہ سلسلہ دو تین صدیوں تک جاری رہا اور آخر لوگوں نے یہ تسلیم کرلیا کہ واقعی سورج نظام شمسی کا مرکز ہے۔ آسمانوں میں مختلف اجسام سے متعلق جاننے کی یہ ابتدائی کوششیں تھیں۔

آسمان کی لامحدود مسافتوں میں اربوں اور کھربوں سیارے، ستارے اور ان پر مشتمل لاتعداد نظام اپنی اپنی مقررہ حدوں میں گھوم رہے ہیں۔ آسمان کی ان لامحدود مسافتوں کو خلا کہا جاتا ہے۔ خلا میں موجود تمام نظاموں اور اجسام کے بارے میں کئی سو سال سے تحقیق جاری ہے۔

پہلے پہلے سائنس دان صرف دوربینوں کی مدد سے خلائی تحقیق کرتے تھے۔ واضح رہے کہ شروع میں اس تحقیق میں سادہ سی دوربینیں استعمال ہوتی تھیں۔ اب نہایت طاقتور دوربینیں بنائی جاچکی ہیں۔ دوربینوں کی مدد سے زمین پر بیٹھ کر جو مشاہدات کیے جاتے تھے انہیں دوسرے علوم (ریاضی، طبیعیات اور فلکیات) کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اب گذشتہ قریباً 50 برسوں میں زمین سے دوسرے سیاروں مثلاً چاند اور مریخ پر خلائی جہازوں کو بھیج کر وہاں تجربات کیے جاتے ہیں۔ اس سے ہمیں دوسرے سیاروں اور ستاروں کے ساتھ ساتھ زمین کے بارے میں بھی قیمتی معلومات ملتی ہیں۔

مشقی سوالات:۔

۱۔ نظام شمسی کسے کہتے ہیں؟ اس نظام کے تمام سیاروں کے نام لکھیں۔

۲۔ زمین کی ساخت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

۳۔ اشکال کی مدد سے سورج گرہن اور چاند گرہن کی وضاحت کیجیے۔

۴۔ دب اکبر سے کیا مراد ہے؟

۵۔ قطبی ستارہ ہماری روزمرہ زندگی میں ہمارے کس کام آتا ہے؟

باب نمبر2

اہم پیشے

انسان کو اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی کام کرنا پڑتا ہے۔ کام کا انحصار اس کے ماحول پر ہے۔ جیسا ماحول ہوتا ہے ویسا ہی اسے کام کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ اس سے اپنی بنیادی ضروریات پوری کر کے بہتر زندگی گزار سکے۔ کام کا انتخاب ہی پیشے کی بنیاد کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان اپنے قدرتی یا جغرافیائی ماحول کے مطابق پیشہ اختیار کرتا ہے۔

پیشے کے اعتبار سے انسان بنیادی طور پر تین طرح کی سرگرمیوں میں مصروف نظر آتا ہے۔

ابتدائی سرگرمی:۔

اس میں وہ پیشے شامل ہیں جن کے ذریعے انسان قدرت کے عطیات حاصل کرتا ہے۔ مثلاً کان کنی کے ذریعے زمین سے معدنیات نکالنا یا زرعی زمینوں سے اجناس پیدا کرنا وغیرہ۔

ثانوی سرگرمی:۔

اس میں وہ تمام پیشے شامل ہیں جن میں پہلی سرگرمی کے نتیجے میں حاصل شدہ اشیاء سے دیگر چیزیں بنائی جاتی ہیں مثلاً زمین سے حاصل شدہ لوہے سے مختلف چیزیں بنانا، زرعی اجناس سے کھانے پینے یا پہننے کا سامان تیار کرنا۔

اعلی سرگرمی:۔

اس سرگرمی میں انسان پہلے دونوں ذریعوں سے حاصل شدہ اشیاء کی ایک دوسرے کے ساتھ تجارت کرتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ پیشے ہیں جو انسان دیگر انسانوں اور جانداروں کی خدمت کرنے کے لیے اختیار کرتا ہے جیسا کہ ڈاکٹری، معلمی اور انجینئرنگ وغیرہ۔

کسی مقام کی آب وہوا، زمین کی خاصیت، قدرتی نباتات، حیوانات، افرادی قوت ہیں اور ان کی صلاحیتیں وہ اہم عوامل ہیں جو پیشے کے انتخاب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً جس علاقے کی زمین زرخیز ہو، بارش کافی مقدار میں ہوتی ہو، ذرائع آب پاشی کا نظام بہتر ہو اور اب وہوا کھیتی باڑی کے لیے موزوں ہو وہاں کے رہنے والے اکثر لوگ عام طور پر زراعت کا پیشہ اختیار کرتے ہیں۔ جن علاقوں میں معدنیات کثرت سے پائی جاتی ہوں وہاں اکثر افراد کا پیشہ کان کنی ہوتا ہے۔ ایسے علاقے جہاں کارخانوں کے لیے خام مال آسانی

سے دستیاب ہوتا ہے وہاں لوگ صنعت وحرفت کے پیشے سے وابستہ ہوتے ہیں۔ بڑی بڑی جھیلوں، تالابوں، دریاؤں اور سمندروں کے کنارے پر بسنے والے لوگ زیادہ تر ماہی گیری کا پیشہ اپناتے ہیں۔ جن علاقوں میں قدرتی چراگاہیں موجود ہوں، وہاں لوگ بھیڑ، بکریاں اور مویشی پالنے کا پیشہ اختیار کرتے ہیں۔

یوں تو انسانی زندگی میں بے شمار پیشے ہیں جنہیں وہ اختیار کر سکتا ہے لیکن ایسے انسانی مشاغل جن میں یہ تمام پیشے آجاتے ہیں، چند ہی ہیں۔ ان میں گلہ بانی، زراعت، صنعت، کان کنی اور تجارت اہم ہیں۔

گلہ بانی:۔

گلہ بانی انسان کا قدیم ترین پیشہ ہے۔ گلہ بانی کی ابتدا وسطی ایشیا کے پہاڑی اور نیم صحرائی علاقوں سے ہوئی۔ پھر یورپ اور افریقہ میں اس کا رواج ہوا اور سب سے آخر میں امریکہ اور آسٹریلیا میں اسے اپنایا گیا۔

اس پیشے سے متعلق جملہ شعبہ جات پر جدید بنیادوں پر تحقیق جاری ہے جس کی بدولت بعض ممالک میں گلہ بانی نہایت نفع بخش پیشہ بن چکی ہے۔

مقصد اور طریقے کے لحاظ سے گلہ بانی دو حصوں میں منقسم ہے۔

(الف) غیر منظم گلہ بانی (ب) منظم گلہ بانی

عام طور پر گلہ بانی ایسے علاقوں میں کی جاتی ہے جہاں:۔

۱۔ زمین اور آب وہوا زراعت کے لیے زیادہ موزوں نہیں ہوتی۔

۲۔ وسائل کی کمی کی وجہ سے آبادی کم گنجان ہوتی ہے۔

۳۔ طبعی حالات اور موسم کی وجہ سے وہاں صرف گھاس پیدا ہوتی ہے۔ ایسے علاقے زیادہ تر منطقہ حارہ میں واقع ہیں۔ اس علاقے کے لوگوں کا بڑا پیشہ گلہ بانی ہے۔

غیر منظم گلہ بانی:۔

وسطی ایشیا، جنوب مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ میں غیر منظم گلہ بانی کا رواج زیادہ ہے۔ ان علاقوں کی آب وہوا نیم صحرائی ہے اور یہاں کی آبادی بہت کم ہے۔ زیادہ تر لوگ قبیلوں کی صورت میں رہتے ہیں۔ ہر قبیلے کی ملکیت میں سینکڑوں جانور ہوتے ہیں۔ یہ خانہ بدوش قبائل پانی اور قدرتی چراگاہوں کی تلاش میں سارا سال اپنے ریوڑ لے کر گھومتے رہتے ہیں۔ گھاس اور پانی کی قلت کی وجہ سے ایک جگہ ٹھہرنا ان کے لیے ناممکن ہوتا ہے۔

غیر منظم گلہ بانی کے علاقوں میں ایران، عراق، ترکی، سعودی عرب، شام، لبنان، شمالی سوڈان، وسطی افریقہ، تبت، منگولیا، سنکیانگ، قازقستان، مغربی سائبیریا اور کا کیشیا کے علاقے شامل ہیں۔

ترکی کی انگورہ نسل کی بھیڑیں لمبی اور ملائم اون کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے اونٹوں اور گھوڑوں سے بار برداری کا کام لیا جاتا ہے۔ بھیڑ بکریوں سے گوشت، دودھ اور کھالیں حاصل کی جاتی ہیں۔

پاکستان میں صوبہ سرحد میں کوہ سلیمان کا علاقہ، پنجاب میں چولستان کا علاقہ، سندھ میں تھر کا علاقہ اور صوبہ بلوچستان کا بڑا حصہ بارش کی کمی کا شکار ہے۔ان علاقوں میں لوگوں کا اہم پیشہ بھیڑیں اور بکریاں پالنا ہے۔ ان لوگوں کی معاشی بہتری کے لیے مویشیوں کی افزائش، اون کی صفائی اور رکھالوں کو محفوظ کرنے کی طرف کافی توجہ دی جارہی ہے، تاکہ لوگوں کی آمدنی میں اضافہ ہو جائے۔ موجودہ دور میں سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ غیر منظم قسم کی گلہ بانی کم ہوتی جارہی ہے۔

منظم گلہ بانی:۔

منظم گلہ بانی ایک مفید پیشہ اور نفع بخش صنعت ہے کیونکہ اسے تجارتی بنیادوں پر منظم کیا جاتا ہے۔ یہ پیشہ ان علاقوں میں بڑے پیمانے پر اپنایا گیا ہے جہاں وسیع میدانوں میں دور دور تک عمدہ گھاس اگتی ہے۔ گھاس کے ایسے وسیع میدان، شمالی اور جنوبی امریکہ، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں پائے جاتے ہیں۔ شمالی امریکہ میں کینیڈا کا وسطی علاقہ، وسطی و مغربی ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور شمالی میکسیکو ایسے علاقے ہیں جہاں موزوں بارش اور درجہ حرارت کے باعث مختلف قسم کی بہترین گھاس اگتی ہے۔ اس طرح جنوبی امریکہ میں ارجنٹائن، یوراگوئے اور جنوبی برازیل، آسٹریلیا میں مشرقی اور جنوب میں مشرقی علاقے اور نیوزی لینڈ کے بیشتر حصے میں مویشی پالنے کے بڑے بڑے فارم قائم ہیں جنہیں رینچ کہتے ہیں۔ یہ فارم یا رینچ کھلے رقبے پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جن پر ہزاروں مویشی پالے جاتے ہیں۔

منظم گلہ بانی کے علاقوں میں جانوروں کی نشوونما کے لیے تمام ضروری سہولیات فراہم کی جاتی ہیں۔ ان میں ان کے لیے خوراک، پانی، علاج معالجے کا مناسب انتظام اور نقل و حمل کے ذرائع شامل ہیں۔ گھاس کی کمی کو پورا کرنے کے لیے چارا بھی کاشت کیا جاتا ہے۔

منظم گلہ بانی میں عام طور پر دو قسم کے مویشی پالے جاتے ہیں۔ اوّل گوشت حاصل کرنے کے لیے۔ اس مقصد کے لیے ایسی نسل کا انتخاب کیا جاتا ہے جو تیزی سے پھلتی پھولتی ہو اور جلد موٹی ہو جاتی ہے۔ دوسری قسم کا مقصد دودھ اور مکھن کا حصول ہوتا ہے۔ اس میں ایسے مویشی پالے جاتے ہیں جو نسبتاً زیادہ دودھ دینے والے ہوتے ہیں۔ یہ سارا کام تجارتی بنیادوں کو مدنظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔

تجارتی بنیادوں پر مویشی پالنے کا کاروبار زیادہ تر جنوبی براعظموں میں ہوتا ہے۔ان علاقوں میں آبادی کم ہے۔ مویشیوں سے حاصل ہونیوالی اشیاء یعنی دودھ، مکھن، پنیر، گوشت اور اون وغیرہ علاقائی ضروریات سے بہت زیادہ ہوتی ہیں۔اس لیے انہیں عام طور پر شمالی براعظموں کے زیادہ آبادی والے علاقوں میں برآمد کر کے کثیر مقدار میں زرمبادلہ حاصل کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں رہنے والوں کا معیار زندگی بلند ہے۔اور وہ خانہ بدوش گلہ بانوں کی طرح جگہ جگہ مارے مارے نہیں پھرتے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بھیڑوں کی بجائے گائے کی پرورش پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ یہاں دودھ دینے والی گائیں عام طور پر شمالی حصے میں اور گوشت والی گائیں بالعموم جنوبی حصے میں پالی جاتی ہیں۔ایک اندازے کے مطابق ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں دس کروڑ سے زیادہ بھیڑیں پالی جاتی ہیں۔

برازیل اور یوراگوئے میں زیادہ گائیں پالی جاتی ہیں۔ جبکہ ارجنٹائن میں زیادہ تر بھیڑوں کی پرورش ہوتی ہے۔ یہاں بھیڑوں کی زیادہ تعداد گوشت حاصل کرنے کے لیے پالی جاتی ہے۔ گوشت کے بین الاقوامی منڈی کا ایک تہائی سے زیادہ گوشت ارجنٹائن سے حاصل کیا جاتا ہے۔

مغربی، وسطی اور جنوب مغربی یورپ میں عام طور پر گوشت حاصل کرنے کے لیے بھیڑیں پالی جاتی ہیں۔ آبادی گنجان ہونے کی وجہ سے گوشت کی اتنی مانگ ہے کہ یہاں صرف اپنی ضرورت ہی کے لیے گوشت مہیا ہوتا ہے۔ یہاں اون اتنی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی کیونکہ یہ ارجنٹائن، جنوبی افریقہ اور آسٹریلیا سے نسبتاً کم خرچ اور سستے داموں درآمد کی جاتی ہے۔

آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں زیادہ تر بھیڑیں پالی جاتی ہیں، ان دونوں علاقوں میں دنیا کی 20 فیصد کے قریب بھیڑیں پالی جاتی ہیں۔ آسٹریلیا دنیا میں سب سے زیادہ اون برآمد کرتا ہے۔ نیوزی لینڈ کا قریباً نصف رقبہ چراگاہوں پر مشتمل ہے۔ یہاں گلہ بانی کی صنعت نہایت عروج پر ہے اور جدید سائنسی تحقیقات سے پورا فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کی جاتی ہے۔ نیوزی لینڈ میں اندازاً پانچ کروڑ سے زائد بھیڑوں کے علاوہ 60 لاکھ گائیں بھی پالی جاتی ہیں۔ یہ ملک ان جانوروں کی بدولت دودھ، مکھن، اون، چمڑا وغیرہ بڑی مقدار میں برآمد کرتا ہے۔

جنوبی افریقہ کے صحرائے کالاہاری اور مشرقی ساحل کے درمیانی علاقہ میں منظم گلہ بانی کے تحت بھیڑیں پالی جاتی ہیں۔ان سے عمدہ قسم کی اون حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اون جنوبی افریقہ کی اہم برآمد ہے۔ پاکستان میں مویشی پالنے والے فارم بہت کم ہیں۔ یہاں مویشیوں کو اچھا چارہ بھی نہیں ملتا اور ان کے علاج معالجے پر بھی کم توجہ دی جاتی ہے۔ان سے ہماری ضروریات بھی مشکل سے پوری ہوتی ہیں۔ البتہ اب کچھ فارم

قائم کیے جارہے ہیں اور لوگ تجارتی گلہ بانی کے پیشے پر توجہ دینے لگے ہیں۔

زراعت:۔

کھیتی باڑی یا زراعت انسان کا قدیم ترین پیشہ ہے۔ انسان زمین سے فصلیں اگا کر اپنی بیشتر غذائی اور دوسری ضروریات پوری کرتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اگرچہ کل زمین کے دسویں حصے پر کاشت کاری ہوتی ہے تاہم دنیا کے قریباً 55 فی صد لوگ زراعت کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ بعض ممالک میں تو 40 سے 70 فی صد لوگ بالواسطہ یا بلاواسطہ اس پیشے سے منسلک ہیں۔

زرعی زمین کے وسائل، ہر علاقے میں ایک جیسے نہیں ہوتے، کہیں زرعی زمین بہت وسیع ہے، کہیں بہت کم، کہیں نہایت زرخیز اور کہیں کم زرخیز۔ بعض علاقوں میں زراعت کا انحصار زیادہ تر بارش پر ہوتا ہے اور بعض علاقوں میں آب پاشی کے مصنوعی ذریعے استعمال کیے جاتے ہیں۔ کہیں زراعت کے پرانے اور روایتی طریقے استعمال ہوتے ہیں اور کہیں جدید ترین مشینوں سے کام لیا جاتا ہے۔ اس علاقائی فرق کی وجہ سے مختلف علاقوں کی پیداوار کی شرح میں خاصا فرق پایا جاتا ہے۔ زمین کے استعمال کا تناسب بھی ہر علاقے میں یکساں نہیں ہے۔ مغربی یورپ کے ممالک میں مجموعی طور پر ایک چوتھائی رقبہ زیر کاشت ہے۔ جبکہ اکثر ایشیائی ممالک میں نصف کے قریب زمین پر کاشت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس آسٹریلیا میں بہت کم حصے پر کھیتی باڑی پائی جاتی ہے۔

کسی علاقے کے طبعی حالات زراعت پر بڑا اثر ڈالتے ہیں۔ بعض علاقوں میں قدرتی ماحول کھیتی باڑی کے لیے بہت موزوں ہوتا ہے مثلاً زرخیز میدانی علاقوں میں کاشت کاری زیادہ ہوتی ہے۔ تاہم زمین کو قابل کاشت بنانے میں انسان کی محنت اور عقل سوچ کا بھی بڑا دخل ہے۔ بعض نیم صحرائی خشک علاقوں کو آب پاشی کے مصنوعی طریقوں سے ہرے بھرے کھیتوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ بعض پہاڑی ڈھلانوں پر سیڑھی نما کھیت بنا کر فصلیں اگائی جاتی ہیں۔ کئی دلدلی علاقوں میں پانی کے نکاس کا بندوبست کر کے زمین کو قابل کاشت بنایا گیا ہے۔ اس طرح انسان نے مختلف طریقے استعمال کر کے اپنی محنت اور کوشش سے کئی علاقوں کے زرعی وسائل کو بہتر بنالیا ہے۔

زرعی پیداوار کو عام طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی غذائی فصلیں اور غیر غذائی فصلیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق کل مزروعہ زمین کے قریباً 60 فیصد رقبے پر غذائی فصلیں بوئی جاتی ہیں اور باقی ماندہ رقبے پر غیر غذائی فصلیں بوئی جاتی ہیں۔ انہیں نقد آور فصلیں بھی کہتے ہیں۔ گندم، چاول، مکئی، جو، جوار، گنا، باجرہ اور دالیں وغیرہ غذائی فصلیں ہیں جبکہ کپاس، ربڑ وغیرہ غیر غذائی فصلوں میں شامل ہیں۔

کسی علاقے میں زراعت کی اہمیت کا اندازہ زرعی زمین کی وسعت اور زراعت کا پیشہ اختیار کرنے والوں کے تناسب سے لگایا جاتا ہے۔ دنیا میں شرعی اہمیت کے وسیع علاقے درج ذیل ہیں۔

ا۔ براعظم ایشیا کے زرخیز علاقوں میں یوکرین کا علاقہ، دریائے والگا اور ڈان کا میدان، سائبیریا کا جنوب مغربی حصہ، ازبکستان، ترکستان، بھارت میں گنگا کا میدانی علاقہ پاکستان میں دریائے سندھ کا میدان اور جنوب مشرقی ایشیا کے وسیع میدان۔

۲۔ جنوبی امریکہ میں ارجنٹائن کا میدانی علاقہ اور برازیل کا شمالی اور مشرقی حصہ۔

۳۔ شمالی امریکہ میں دریائے مسسی کلا وسیع میدانی علاقہ، پریری کا علاقہ اور کیلیفورنیا کی وادی۔

۴۔ یورپ میں مغربی یورپ کا میدانی علاقہ۔

۵۔ آسٹریلیا میں شمال مشرقی اور جنوب مغربی حصے اور دریائے ڈارلنگ اور مرے کا کچھ میدانی حصہ۔

۶۔ افریقہ میں دریائے نیل کی وادی، افریقہ کے مشرقی حصے اور وسطی افریقہ کے ساحلی اور میدانی علاقے۔

ان علاقوں میں قدرتی ماحول، علاقائی وسائل اور ضروریات کے مطابق زراعت کے مختلف طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔

(الف) روایتی کاشت:۔

غیر ترقی یافتہ اور بعض ترقی پذیر ممالک میں کاشت کاری کا کام عموماً عام ہل، بیلوں کی جوڑی اور روایتی اوزاروں سے کیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں۔ کسان عام طور پر اپنی اور نزدیکی آبادی کی ضروریات کے مطابق فصلیں کاشت کرتے ہیں، فی ایکڑ پیداوار بھی کم ہوتی ہے۔ اس طریقہ کاشت کی وجہ سے صرف کسانوں ہی کو نہیں بلکہ مجموعی طور پر پورے ملک کو نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس طریقہ کاشت کو اپنانے والے کسان عام طور پر تھوڑے تھوڑے رقبے کے مالک ہوتے ہیں۔ مالی طور پر کمزور ہونے کی وجہ سے جدید آلات خرید نہیں سکتے نیز چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں جدید آلات استعمال بھی نہیں ہو سکتے۔

(ب) مشینی کاشت:۔

دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں مشینی کاشت کو ترقی دی گئی ہے۔ اس طرز کاشت سے کھیتوں سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے اچھے بیج، زرعی مشینیں اور مصنوعی کھاد استعمال کی جاتی ہے، ایسی کاشت کے لیے بڑے بڑے رقبے والے کھیت موزوں ہیں۔ فصلوں کو کیڑوں سے بچانے

کے لیے ادویات استعمال کی جاتی ہیں۔ مغربی یورپی ممالک اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اس طرز کاشت کو ترقی دی گئی ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ملک کی 4 فیصد آبادی کا پیشہ زراعت ہے۔ جبکہ یہ ملک نہ صرف اپنی ضرورت کی تمام فصلیں کاشت کرتا ہے بلکہ اجناس اور پھلوں کی ایک بڑی مقدار برآمد بھی کرتا ہے۔ چین اور وسطی ایشیائی ریاستوں میں بھی مشینی کاشت کو تیزی سے اپنایا گیا ہے۔ یہاں اس مقصد کے لیے زمین کے چھوٹے ٹکڑوں کو مشترکہ بنیاد پر یکجا کر کے بڑے کھیت تیار کیے گئے ہیں۔ کاشت کاروں کو زرعی آلات سرکاری طور پر مہیا کیے گئے ہیں۔ بعض ممالک میں مشینی کاشت کی خاطر زراعت پیشہ لوگوں نے باہمی امداد کے کوآپریٹو بینک یا انجمنیں قائم کر لی ہیں۔

(ج) مزرعی کاشت:۔

بعض موزوں علاقوں میں تجارتی لحاظ سے اہم فصلوں کی بڑے پیمانے پر کاشت کے لیے مزرعے (فارم) بنائے گئے ہیں۔ اس طرز کاشت میں نسبتاً محدود علاقے سے ایک خاص فصل حاصل کی جاتی ہے، جسے برآمد کر کے زرمبادلہ کمایا جاتا ہے۔ یہ طرز کاشت بڑے باغ ہی کی ایک صورت ہے۔ ایسے باغات میں ربڑ، چائے، قہوہ، گنا اور کیلا بڑے پیمانے پر کاشت کیا جاتا ہے۔ استوائی اور نیم استوائی علاقوں میں جزائر اور ساحلوں کے نزدیک یہ طرز کاشت بہت کامیاب ہے۔

پاکستان میں زراعت کا پیشہ زیادہ تر روایتی قسم پر قائم ہے۔ ہماری قریباً 70 فیصد آبادی کا پیشہ بلاواسطہ یا بالواسطہ زراعت سے متعلق ہے۔ ملک میں آب پاشی کا وسیع نظام موجود ہے لیکن یہ نہریں ہر جگہ نہیں ہیں۔ ہماری فی ایکڑ اوسط پیداوار اکثر ملکوں کی نسبت کم ہے۔ زراعت کے پیشے میں بہتری کے لیے انسانی محنت ومہارت کے علاوہ مختلف آلات، مشینوں اچھے بیج اور کھاد کا استعمال ضروری ہے۔

زراعت کے پیشے کو ترقی دینے کے لیے سائنسی بنیادوں پر کاشت کو رواج دیا جانا ضروری ہے۔ اس سے دیہی آبادی کی آمدنی بڑھے گی اور زیادہ خوش حال ہوگی۔

کان کنی:۔

کان کنی بھی ایک قدیم پیشہ ہے۔ کان کنی کا انحصار کسی علاقے میں پائی جانے والی معدنیات پر ہے۔ معدنیات میں لوہا، کائلہ، معدنی تیل، گیس، عمارتی پتھر اور قیمتی ہیرے وغیرہ شامل ہیں۔ یہ سب اشیاء زمین کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ بعض معدنیات یونہی بکھری ہوئی ملتی ہیں جبکہ بعض کو کھود کر گہرائی سے نکالا جاتا

ہے۔ کچھ معدنیات خالص حالت میں ملتی ہیں لیکن اکثر کے ساتھ ملاوٹ شامل ہوتی ہے۔ جسے نکالنے کے بعد الگ کیا جاتا ہے۔ کانوں سے معدنیات حاصل کرنے کی تین بڑی صورتیں ہیں۔

ا۔ بعض معدنی ذخائر کھلے علاقوں میں مل جاتے ہیں، جیسے لوہا، جپسم، چونا، سنگ مرمر اور عمارتی پتھر

۲۔ اکثر معدنی ذخائر زمین کی اندرونی تہ میں دبے ہوئے ملتے ہیں۔ ان کے نکالنے کے لیے سرنگیں کھودی جاتی ہیں۔ ان میں کوئلہ، تانبا، سونا، چاندی اور نمک وغیرہ شامل ہیں۔

۳۔ معدنی تیل اور گیس کے ذخیرے عام طور پر زیادہ نچلی تہوں میں ہوتے ہیں۔ انہیں حاصل کرنے کے لیے بورنگ کی جاتی ہے اور انہیں پائپوں کی مدد سے باہر نکالا جاتا ہے۔

دنیا میں اہم معدنی وسائل کے بڑے بڑے ذخیرے قدیم چٹانوں پر مشتمل پہاڑی علاقوں یا سطح مرتفع کے علاقوں میں ہیں۔ البتہ کوئلہ، معدنی تیل اور گیس تہ دار چٹانوں کے علاقے میں ملتے ہیں۔ بیشتر معدنیات کے بڑے ذخیرے ریاست ہائے متحدہ امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، روس اور چین میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ برازیل، جنوبی افریقہ اور آسٹریلیا میں بھی خام دھاتوں کے اہم ذخیرے بڑی مقدار میں موجود ہیں۔ البتہ معدنی تیل اور گیس کے بڑے بڑے ذخائر مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک میں موجود ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور روس میں بھی بڑی مقدار معدنی تیل حاصل ہوتا ہے۔ البتہ برطانیہ، فرانس، جرمنی اور جاپان جیسے صنعتی ممالک معدنی تیل کی دولت سے محروم ہیں۔

پاکستان میں معدنی ذخائر بڑی مقدار میں نہیں ملتے۔ البتہ سطح مرتفع پوٹھوار کے جنوبی علاقے میں نمک کے بڑے ذخائر ہیں۔ معدنی تیل اسی سطح مرتفع کے وسطی علاقوں سے نکالا جاتا ہے۔ ملک میں تیل کی مزید تلاش جاری ہے۔ صوبہ سندھ کے ضلع بدین میں حال ہی میں کچھ تیل حاصل ہوا ہے۔ پاکستان میں معدنیات کے لحاظ سے زیادہ اہم علاقہ بلوچستان ہیں۔ یہاں کی سطح مرتفع اور پہاڑ قدیم چٹانوں پر مشتمل ہیں۔ اس بڑے علاقے میں قدرتی گیس کے بڑے بڑے ذخائر کے علاوہ کوئلہ، کرومائیٹ، باکسائیٹ اور میگنیشیم نکالے جاتے ہیں۔ بلوچستان کا زیادہ تر حصہ بڑا دشوار گزار ہے۔ مگر اس کے باوجود سڑکوں کی مزید تعمیر اور معدنیات کی تلاش کا کام جاری ہے۔ موجودہ کانوں سے معدنیات نکالنے اور نئے ذخائر کی دریافت سے اس صوبے میں کان کنی کے پیشے کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی جارہی ہے۔

صنعت:۔

خام مال سے ضرورت کی چیزیں تیار کرنا صنعت کہلاتا ہے۔ صنعت کا پیشہ بھی بہت پرانا ہے۔ قدیم زمانے سے انسان خام مال سے اپنی ضروریات کی اشیاء بناتا چلا آرہا ہے۔ لوہے کو پگھلا کر معمولی اوزار اور گھریلو

استعمال کی اشیاء بنانا، روئی سے سوت کاتنا اور کپڑا بننا انسان کی قدیم صنعتیں ہیں۔ قدیم زمانے میں یہ چیزیں ہاتھ سے بنائی جاتی تھیں۔ اس لیے زیادہ وقت میں کم چیزیں تیار ہوتی تھیں۔

برطانیہ نے تین سو سال پہلے مختلف ممالک پر قبضہ کرلیا۔ اس قبضے کا مقصد ان علاقوں کے وسائل، پیداوار اور یہاں بسنے والے لوگوں کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کرنا تھا۔ برطانیہ کے لوگ ان ممالک سے خام مال اپنے ملک لاتے اور اس خام مال سے مختلف اشیاء تیار کر کے واپس انہیں ممالک میں فروخت کر دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ مقبوضہ علاقوں میں اشیاء کی کھپت بڑھنے سے اس بات کی ضرورت پیدا ہوئی کہ کم مدت میں زیادہ سے زیادہ مال تیار کرلیا جائے، واضح رہے کہ روایتی طریقوں سے محنت زیادہ صرف ہوتی تھی اور اس کے مقابلے میں مال کم تیار ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر روایتی چرخے پر ایک تکلے پر ایک مزدور بہت کم سوت کات سکے گا، جبکہ اگر اسی چرخے میں کوئی ایسی میکانکی تبدیلی کر دی جائے، جس سے اس پر ایک کی بجائے زیادہ تکلے ہو جائیں تو ایک مزدور کی محنت سے زیادہ سوت کاتا جاسکے گا۔

سادہ مشینوں میں تبدیلی اور روایتی توانائی کے وسیلوں بہتری سے بہت کم وقت میں زیادہ مال بنانے کی صلاحیت حاصل کرلی گئی۔

بھاپ کے انجن اور بھاپ سے چلنے والی مشینوں نے ابتدائی طور پر اہم تبدیلیاں پیدا کیں۔ ان تبدیلیوں کے باعث شہروں میں بے شمار چھوٹے بڑے کارخانے کھلنے لگے۔ چونکہ دیہات میں مزدوروں کی زندگی بہتر نہ تھی وہ شہروں کی طرف آنے لگے۔ مگر یہاں کارخانوں کے مالکان نے کام کے لیے سخت شرائط طے کر رکھی تھیں۔ اس دور میں مزدوروں سے اٹھارہ گھنٹے روزانہ بھی کام لیا جاتا تھا۔ اتنی محنت کے باوجود بھی ان مزدوروں کی زندگی کا معیار غربت سے بھی کہیں نچلے درجے کا تھا۔

مشینوں کو بہتر بنانے سے تجارتی اشیاء میں اضافہ ہوا۔ اسی عمل کو صنعتی انقلاب کا نام دیا گیا۔ یہ انقلاب سب سے پہلے برطانیہ میں برپا ہوا اور پھر یورپ کے دوسرے ممالک میں پھیلا۔

کسی علاقے میں صنعتوں کے قیام کے لیے کچھ موزوں عوامل اور مناسب اسباب وحالت درکار ہوتے ہیں۔ ان میں خام مالک، طاقتی وسائل، آب وہوا، سرمایہ، مزدور، تکنیکی صلاحیت، منڈیاں اور ذرائع آمدورفت شامل ہیں۔ یہ سارے عوامل ایک جگہ پر دستیاب نہیں ہوسکتے البتہ ان میں سے کچھ عوامل موجود ہوں تو صنعتی مراکز قائم کیے جاسکتے ہیں۔ صنعت کا پیشہ تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

گھریلو صنعت:۔

گھریلو صنعتوں میں ایسا مال تیار ہوتا ہے جس کے لیے چند افراد ہی کافی ہوتے ہیں۔ ایسی صنعت

میں ذاتی مہارت اور محنت کو زیادہ اہمت حاصل ہوتی ہے۔ گھریلو دستکاریاں، چھوٹا بڑا عام استعمال کا سامان اور چھوٹے اوزاروں کی بے شمار قسمیں گھریلو صنعت کے زمرے میں آتی ہیں۔

مشینی صنعت:۔

مشینی صنعت میں خام مال سے بڑے پیمانے پر اشیائے خوراک ودیگر سامان تیار کرنا شامل ہے۔ ان میں آٹا، چینی، گھی، مشروبات، کپڑا، جوتے، برتن، بجلی کا سامان وغیرہ سرفہرست ہیں۔ ایسی صنعتوں کے لیے ملوں اور کارخانوں میں کاریگر اور محنت کش مشینوں کی مدد سے طرح طرح کی اشیاء تیار کرتے ہیں۔

بھاری صنعت:۔

بھاری صنعتوں میں بڑی مشینیں، ریلوے انجن، کاریں، ٹرک، بجلی کے کارخانے، بحری اور ہوائی جہاز اور اس قسم کی دوسری بہت سی چیزوں کی تیاری شامل ہے۔ کل پرزوں اور آلات کی تیاری کے لیے مختلف دھاتوں اور ایندھن کی بڑی مقدار کی ضرورت ہوتی ہیں۔ بھاری صنعتوں کا قیام کسی ملک کی ترقی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ بھاری صنعتوں کا انحصار بنیادی طور پر فولاد کی تیاری اور ایندھن کی فراہمی پر ہوتا ہے۔ جس ملک میں بھاری صنعتیں زیادہ ہوں گی اسی قدر وہ ملک صنعتی طور پر ترقی کرے گا۔

پاکستان کے اکثر شہروں میں گھریلو صنعتیں قائم ہیں۔ گھریلو صنعتیں زیادہ تر مقامی ضرورت کو پورا کرتی ہیں۔ ان میں بعض اشیاء ماہرانہ کاریگری کا اعلیٰ نمونہ ہوتی ہیں لیکن ان کی پیداوار اور استعمال محدود ہوتا ہے۔ مشینی صنعتوں کا مال دور دراز کے علاقوں میں بھیجا جاتا ہے۔ ان کا زیادہ دارومدار خام مال کی دستیابی پر ہے۔ فنی ماہرین اور محنت کشوں کی توجہ سے پائیدار مال تیار ہوتا ہے۔

پاکستان میں ہر قسم کے کپڑے کی صنعت، شکر سازی، برتن سازی، جوتے اور چمڑے کے سامان کی صنعت نے خاصی ترقی کی ہے۔

کراچی، حیدرآباد، لاہور اور فیصل آباد میں مشینی صنعتوں کے مخصوص علاقے ہیں۔

پاکستان میں اب بھاری صنعتوں کی طرف بھی پیش رفت ہوئی ہے۔ ٹیکسلا میں بھاری صنعتوں کا ایک یونٹ، شکر اور سیمنٹ سازی کے لیے مشینری اور مکمل پلانٹ تیار کرتا ہے۔ کراچی میں خشک گودی، چھوٹے بحری جہازوں اور کشتیوں کی تیاری کے لیے قائم ہے۔ کراچی میں پورٹ قاسم کے قریب قائم ہونے والی پاکستان سٹیل ملز نے جنوری 1985ء سے کام کا باقاعدہ آغاز کردیا ہے۔ پاکستان سٹیل ملز بھاری صنعت کا ایک مکمل نمونہ ہے۔

یہاں پانچ بڑے فولاد اور فولادی سامان تیار کر رہے ہیں۔ پاکستان سٹیل ملز میں پینتیس ہزار سے زائد ماہرین، کاریگر اور محنت کش کام کرتے ہیں۔ یہاں سے حاصل ہونے والے فولاد سے پاکستان میں جدید صنعتوں کو فروغ حاصل ہوا ہے اور ضروری مشینیں اور آلات یہاں تیار ہونے لگے ہیں۔

تجارت:۔

تجارت اشیاء کے لین دین کا نام ہے۔ تجارت کا پیشہ دیگر پیشوں کے درمیان رشتہ قائم کرتا ہے۔ کسی بھی پیشے کے افراد کسی ایک قسم کی اشیاء تیار کرتے ہیں۔ یہ اشیاء تیار کرنے والے اپنی تمام ضروریات پوری نہیں کر سکتیں اور انہیں اپنے لیے دوسرے پیشہ ور افراد کی تیار کردہ اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ تجارت اس ضرورت کو پورا کرنے میں مدد دیتی ہے۔

تجارت کے پیشے کا تعلق اشیاء کی پیداوار اور طلب کے علاقوں سے ہے۔ یوں تو ہر آبادی میں اشیاء کا لین دین ہوتا ہے۔ شہری آبادیوں میں جہاں مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے بہت سے افراد رہتے ہیں، وہاں تجارت کا پیشہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ تجارت کے لیے بہت سے انتظامات ضروری ہیں۔ ان انتظامات میں ذرائع نقل وحمل سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ اشیاء کو پیداوار کے علاقے سے ضرورت کے علاقے تک پہنچانے کے لیے بار برداری کے جانور، سڑکیں، ریلیں، بحری جہاز اور ہوائی جہاز غرض کئی ذرائع استعمال ہوتے ہیں۔ تمام تجارتی سامان ایک ہی بار استعمال نہیں ہو جاتا، بلکہ ضرورت کے مطابق بازاروں میں فروخت ہوتا ہے۔ اس لیے پیداوار کے علاقے سے لائے جانے والے سامان کا شہروں میں بڑے پیمانے پر لین دین کا انتظام عام طور پر بینک کی معرفت پر ہوتا ہے۔ اس کے لیے سرمائے کے علاوہ گودام، تھوک فروخت اور تقسیم کا انتظام بھی ضروری ہے۔ ان سب چیزوں کا تعلق تجارت سے ہے۔

جب اشیاء کا لین دین مختلف ملکوں کے مابین ہوتا ہے تو اس صورت میں تجارت کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ہر ملک اپنے جغرافیائی حالات کے مطابق پیداوار کرتا ہے اور اپنی بہت سی ضرورتوں کے لیے دوسرے ملکوں کی پیداوار حاصل کرتا ہے۔ اس طرح بین الاقوامی تجارت پروان چڑھتی ہے۔ مختلف ملکوں کے مابین تجارتی رابطے کے لیے کئی بین الاقوامی ادارے بھی قائم ہیں۔ اس میں جہاز راں کمپنیوں اور مالیاتی اداروں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ ادارے زر مبادلہ کا انتظام کرتے ہیں۔

پاکستان میں تجارت کا پیشہ اب تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ اس کی بڑی وجہ زرعی و صنعتی پیداوار میں

اضافہ اور ذرائع نقل وحمل میں بہتر سہولتوں کا میسر آنا ہے۔ بینک اور مالیاتی ادارے زرعی، صنعتی اور تجارتی پیشہ سے متعلق لوگوں کو قرضے اور فنڈ مہیا کرتے ہیں۔ پاکستان کی بیرونی تجارت کو مزید ترقی دیے جانے کی اشد ضرورت ہے تا کہ ادائیگیوں کے توازن کو بہتر کیا جا سکے۔

ان بڑے اور مخصوص پیشوں کے علاوہ انسانی معاشرے میں کئی ایسے پیشے اہمیت رکھتے ہیں جن کا تعلق اعلیٰ اقدار اور ضروریات سے ہے۔ مجموعی طور انہیں خدمات کے پیشے کہا جاتا ہے۔ تعلیم وتدریس، علاج معالجے، سیر وتفریح سے متعلق کام اسی نوعیت کے پیشے ہیں۔ یوں تو ہر پیشہ محنت اور مہارت چاہتا ہے تا کہ زیادہ اور بہتر چیزیں حاصل ہوں لیکن ایسے پیشے جن کی بدولت زندگی کی سہولتیں حاصل ہوتی ہوں زیادہ بہتر خیال کیے جاتے ہیں۔ سائنسی ایجادات کی بدولت ایسے پیشوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

پاکستان کے لوگ بھی تعلیم اور فنی مہارت حاصل کر کے اپنے ملک کی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ کر سکتے ہیں۔ بہت سے لوگ پیداوار کا معیار بہتر بنا کر اور غیر ممالک کو برآمد کر کے بین الاقوامی تجارت سے ملکی آمدنی میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ پاکستان میں وسائل یا افرادی قوت کی کمی نہیں ہے۔ صرف محنت، لگن، جذبہ حب الوطنی اور قابل عمل منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

مشقی سوالات

جوابات دیجیے۔

۱۔ پیشے سے کیا مراد ہے؟ دنیا میں اہم پیشے کون کون سے ہیں؟

۲۔ وہ کون سے عوامل ہیں جو کوئی پیشہ اپنانے میں اثر انداز ہوتے ہیں؟ وضاحت کریں۔

۳۔ تجارتی گلہ بانی کا پیشہ کن کن ممالک میں اپنایا گیا ہے؟ نیز وجہ بیان کریں۔

۴۔ زراعت میں کون کون سے طریقے رائج ہیں؟ ہر طریقے کا مختصر حال لکھیے۔

۵۔ دنیا میں زرعی اہمیت کے علاقے کون کون سے ہیں؟

۶۔ صنعت کی مختلف قسمیں کون کون سی ہیں؟ پاکستان کی بھاری صنعتوں کے بارے میں ایک مضمون لکھیے۔

۷۔ کان کنی کے پیشے کا دارومدار کس بات پر ہے نیز کان کنی کے لیے کون کون سے طریقے استعمال کیے جاتے ہیں؟

۸۔ تجارت کی اہمیت کیا ہے؟ مختصر بیان کریں۔

باب نمبر3

دنیا کی آبادی

اس وقت دنیا میں قریباً ساڑھے چھ ارب انسان بستے ہیں۔ روئے زمین پر ان کی تقسیم ایک سی نہیں۔ بعض علاقوں میں انسانی آبادی بہت گنجان ہے اور کہیں بہت تھوڑی ہے۔ کسی علاقے کی آبادی کا تعلق وہاں کے وسائل کے ساتھ گہرا ہوتا ہے۔ اگر مقامی وسائل لوگوں کی ضروریات کو آسانی سے پوری کر دیں تو ایسے علاقے میں آبادی گنجان ہو جاتی ہے۔

آبادی کی گنجانی سے مراد یہ ہے کہ ایک مربع کلومیٹر میں اوسطاً کتنے لوگ رہائش پذیر ہیں۔ یعنی کسی علاقے میں رقبے اور آبادی کا فی مربع کلومیٹر تناسب، آبادی کی گنجانی کہلاتا ہے۔ دنیا میں آبادی کی تقسیم کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آبادی کی گنجانی کا دارومدار بہتر قدرتی وسائل اور ان کے استعمال پر ہے۔ اگر کسی ملک میں قدرتی وسائل وافر مقدار میں موجود ہوں یعنی وہاں کی زمین زرخیز ہو، معدنیات کی کثرت ہو، آب و ہوا عمدہ اور صحت بخش ہو، روزی کمانے کے ذرائع بآسانی میسر ہوں، صنعتی اور تجارتی مراکز تک پہنچنے کے لیے ذرائع آمد و رفت آسان ہو، تعلیم اور دیگر انسانی ضروریات کی فراوانی ہو تو وہاں آبادی گنجان ہو گی۔ لیکن جہاں وسائل جس قدر کم ہوں گے، اسی قدر آبادی بھی کم گنجان ہو گی۔

آبادی کی کمی بیشی کا دارومدار بہت حد تک قدرتی وسائل کی فراوانی پر ہے۔ تاہم قدرتی وسائل سے پورا فائدہ حاصل کرنے کے لیے انسانی جدوجہد بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔

آبادی کا معیشت سے گہرا تعلق ہے، اگر آبادی زیادہ ہو تو فی کس معاشی وسائل کم میسر آتے ہیں، اگر آبادی گنجان نہ ہو تو فی کس ذرائع زیادہ ملتے ہیں تاہم یہ ضروری نہیں کہ زیادہ گنجان آباد علاقے مفلس اور کم آباد علاقے خوش حال ہوں۔ دراصل افلاس اور خوش حالی کا انحصار صرف آبادی کی زیادتی یا کمی ہی پر نہیں بلکہ ذرائع کی قلت و کثرت پر بھی ہے۔ دنیا کے بیشتر ترقی یافتہ ممالک ایسے ہیں جن میں آبادی کی گنجانی بہت زیادہ ہے لیکن اس کے باوجود وہ خوشحال ہیں۔ مثلاً بیلجیم، برطانیہ، فرانس، جرمنی، جاپان وغیرہ۔ کئی ایشیائی ممالک زیادہ گنجان آباد نہیں لیکن پھر بھی مفلس ہیں۔

کسی ملک کی آبادی کی تقسیم بلحاظ قصبات و دیہات بڑی اہم ہے۔ اس سے بھی کسی حد تک اس ملک

کی معاشی حالت کا اندازہ لگا جا سکتا ہے۔ جس ملک کی زیادہ آبادی شہروں میں رہتی ہو، وہ صنعتی اور تجارتی لحاظ سے ترقی یافتہ تصور کیا جاتا ہے۔ جس ملک کی زیادہ آبادی دیہات میں رہائش پذیر ہو، وہ صنعتی اعتبار سے پسماندہ ہوتا ہے۔ وہاں آمدنی کا دارومدار زیادہ تر زراعت پر ہوتا ہے۔ لہٰذا معاشی لحاظ سے ایسا ملک کمزور ہوتا ہے۔ آبادی کے شہروں کی طرف منتقل ہونے کا رجحان ظاہر کرتا ہے کہ ملک صنعتی لحاظ سے ترقی کر رہا ہے۔

کرۂ ارض پر آبادی کی تقسیم کی واضح خصوصیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ دنیا میں کل آبادی کے قریباً 85 فیصد لوگ شمالی نصف کرہ میں آباد ہیں۔

۲۔ دنیا کی قریباً 80 فیصد آبادی، رقبے کے اعتبار سے ایک مختصر سے علاقے میں رہتی ہے۔ یہ علاقہ روئے زمین کا 20 فیصد سے بھی کم حصہ ہے۔

۳۔ دنیا کی بیشتر آبادی کے بعض بڑے اور نمایاں حلقے ہیں۔ یعنی چند ایسے نمایاں علاقے ہیں جہاں نسبتاً کم رقبے میں زیادہ افراد رہائش پذیر ہیں۔

آبادی کے لحاظ سے کرۂ ارض کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

(الف) گنجان آباد علاقے　　(ب) کم گنجان علاقے

(الف) گنجان آباد علاقے:۔

دنیا میں چار گنجان آباد علاقے ہیں:

۱۔ مشرقی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا کے کچھ حصے۔　　۲۔ جنوبی ایشیا

۳۔ مغربی یورپ　　۴۔ شمال مشرق امریکہ اور کینیڈا کا جنوب مشرقی حصہ۔

ان چاروں علاقوں میں دنیا کی کل آبادی کے 75 فیصد سے زیادہ لوگ رہائش پذیر ہیں۔

۱۔ مشرقی اور جنوب مشرقی ایشیا:۔

اس علاقے میں چین، جاپان، انڈونیشیا، فلپائن، تھائی لینڈ اور ویت نام کے حصے شامل ہیں۔ ان ممالک میں دنیا کے قریباً ایک تہائی سے زیادہ لوگ آباد ہیں۔ جاپان صنعتی لحاظ سے دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی صف اول میں شمار ہوتا ہے۔ چین میں دنیا کے قریباً ایک چوتھائی لوگ آباد ہیں۔ اس کی اوسط آبادی 127.1 افراد فی مربع کلومیٹر ہے۔ سب سے زیادہ گنجان آبادی چین کے شمالی، وسطی اور جنوبی حصے کے زرخیز دریائی میدانوں میں ہے۔ چین میں گنجان آبادی کا دارومدار زمین کی زرخیزی، صنعتی ترقی اور آب و ہوا کی

سازگاری پر ہے۔انڈونیشیا کی زمین زرخیز ہے۔لوگ زیادہ تر زراعت پیشہ ہیں۔غذائی فصلوں کے علاوہ نقدی فصلوں کی بھی فراوانی ہے۔

۲۔جنوبی ایشیا:۔

یہ علاقہ پاکستان، بنگلہ دیش، بھارت، نیپال، بھوٹان، مالدیپ اور سری لنکا پر مشتمل ہے۔یہ سب ترقی پذیر ملک ہیں۔دریائے گنگا اور دریائے سندھ کے میدان اسی خطے میں واقع ہیں۔ان کا شمار دنیا کے زرخیز ترین میدانوں میں ہوتا ہے۔اس خطے میں بیشتر آبادی زراعت پیشہ افراد پر مشتمل ہے۔آبادی کے معاشی مسئلے کو حل کرنے کے لیے صنعتی ترقی پر بھی خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔بنگلہ دیش اور بھارت کے بعض حصوں کی آبادی 800 افراد فی مربع کلومیٹر سے بھی زیادہ ہے۔جنوبی ایشیا میں دنیا کے قریباً 25 فیصد لوگ آباد ہیں۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق گنجان آبادی کے ان دونوں حصوں یعنی مشرقی و جنوب مشرقی ایشیا میں دنیا کی قریباً نصف آبادی رہائش پذیر ہے۔

۳۔مغربی یورپ:۔

یورپ کے گنجان آباد علاقے میں جرمنی، ڈنمارک، ہالینڈ، بیلجیم، فرانس، اٹلی کے کچھ حصے اور جزائر برطانیہ شامل ہیں۔یہ علاقہ زرعی اور صنعتی ترقی کی بدولت دنیا میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔یہ پورے کا پورا خطہ نہایت ترقی یافتہ ہے۔قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔فیصد خواندگی کا تناسب زیادہ ہونے کی وجہ سے لوگوں میں کام کرنے کی صلاحیت اور بہتر تنظیم کی گنجائش زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ اس خطے کے ممالک کی فی کس آمدنی بھی زیادہ ہے۔بعض علاقوں میں آبادی کی شرح 312 افراد فی مربع کلومیٹر سے بھی زیادہ ہے۔عالمی آبادی کا قریباً 20 فیصد حصہ اس علاقے میں رہائش پذیر ہے۔

۴۔شمال مشرقی ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا:۔

دنیا کے چوتھے گنجان آباد خطے میں شمال مشرقی ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور اس سے ملحقہ کینیڈا کا جنوب مشرقی حصہ شامل ہے۔یہ خطہ پہلے تین خطوں کی نسبت رقبے اور آبادی کے لحاظ سے بہت چھوٹا ہے۔یہاں دنیا کے قریباً 8 فیصد لوگ آباد ہیں۔شمالی امریکہ کئی ریاستوں کی آبادی 200 افراد فی مربع کلومیٹر سے بھی زیادہ ہے۔آبادی کا یہ تناسب اس علاقے کی صنعتی ترقی کے باعث ہے۔یہاں فی کس آمدنی دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔

مذکورہ چار بڑے گنجان آباد خطوں کے علاوہ کچھ چھوٹے چھوٹے گنجان آباد علاقے بھی موجود ہیں۔یہ براعظم افریقہ میں دریائے نیل کی وادی، نائیجیریا، گھانا کا ساحلی علاقہ اور جھیل وکٹوریہ سے ملحقہ جنوبی علاقے، جنوب مشرقی برازیل اور ارجنٹائن میں شمال مشرقی ساحل کے قریب کے علاقوں پر مشتمل ہے۔

کم گنجان آباد علاقے:۔

مندرجہ بالا گنجان آباد علاقوں کی نسبت دنیا کے دوسرے علاقوں کی آبادی کم گنجان ہے یا بعض علاقے بہت ہی کم آباد ہیں اور کچھ تو بالکل ہی بے آباد ہیں۔ایک اندازے کے مطابق دنیا کا ایک تہائی حصہ بالکل غیر آباد ہے۔

ایشیا کا بیشتر شمالی علاقہ، وسطی ایشیا اور مغربی ایشیا، منگولیا، یورپ میں ناروے اور سویڈن، ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا بیشتر مغربی علاقہ، کینیڈا اور آسٹریلیا کا بیشتر حصہ دنیا کے کم آباد علاقوں میں شمار ہوتے ہیں۔ان علاقوں میں آبادی کی کمی کی وجہ سے یہاں کے غیر موزوں طبعی حالات ہیں۔

غیر آباد علاقوں میں منطقہ باردہ شمالی، منطقہ باردہ جنوبی، بلند پہاڑی علاقے (مثلاً کوہ ہمالیہ، کوہ قراقرم، کوہ انڈیز، کوہ راکیز) صحرائی علاقہ اور استوائی خطہ (دریائے ایمیزون کا طاس اور جزیرہ بورینو) شامل ہیں۔

پاکستان کی آبادی:۔

1998ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی کل آبادی 13 کروڑ 5 لاکھ 80 ہزار ہے۔پاکستان میں اوسطاً 164 افراد فی مربع کلومیٹر آباد ہیں۔آبادی کی تقسیم کے لحاظ سے پاکستان میں سندھ طاس کے میدانی علاقے اور مغرب کی جانب سطح مرتفع بلوچستان میں بڑا نمایاں فرق ہے۔سندھ طاس کے میدان میں شمال سے جنوب تک دریائی وادیوں کے ساتھ ساتھ آبادی گنجان ہے۔صوبہ پنجاب میں لاہور، گوجرانوالہ اور ملتان اور صوبہ سندھ میں، سکھر لاڑکانہ، نواب شاہ اور حیدرآباد کے اضلاع میں آبادی گنجان ہے۔صوبہ سرحد میں پشاور اور مردان کے دو اضلاع میں آبادی زیادہ گنجان ہے جبکہ دوسرے اضلاع میں آبادی کم ہے۔

قیام پاکستان کے بعد اس علاقے میں ہونے والی ترقی کی بدولت شہری آبادی کے تناسب میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔قیام پاکستان کے وقت ملک میں 18 فیصد سے کم افراد شہروں میں رہتے تھے۔اب پاکستان میں شہری آبادی کل آبادی کا 32.5 فیصد ہے۔قیام پاکستان کے وقت ملک میں صرف دو شہر کراچی اور لاہور ایک ایک لاکھ سے زائد آبادی رکھتے تھے۔

گنجان آبادی اور کم آبادی کے اسباب:۔

کسی علاقے میں آبادی کے کم وبیش ہونے پر مندرجہ ذیل عوامل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

جغرافیائی عوامل:۔

کسی علاقے کی زمین ہموار، نرم اور زرخیز ہو تو اسے آباد کرنا آسان ہوتا ہے۔اس میں کھیتی باڑی اور باغبانی کے ذریعے پیداوار اور وسائل زندگی بآسانی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ایسے علاقوں میں رہنا، گھر بنانا اور ضروریات زندگی حاصل کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔اس لیے ان علاقوں میں آبادی زیادہ ہوتی ہے۔اس کے برعکس دشوار گزار علاقے، پہاڑ، جنگل یا بنجر اور بے آب وگیاہ زمین رہائش کے لیے موزوں نہیں ہوتی۔اس لیے ایسے علاقوں کی آبادی بہت کم ہوتی ہے۔

آب وہوا:۔

جن علاقوں کی آب وہوا اچھی ہو وہاں انسانی صحت اچھی رہتی ہے۔آدمی خوب محنت کرسکتا ہے۔بارشیں بروقت ہوں تو پیداوار بہت ہوتی ہے اور خوراک بکثرت میسر آتی ہے۔دریاؤں کی وادیوں میں زمین بھی نرم اور زرخیز ہوتی ہے اور آب پاشی کے لیے پانی بھی وافر مقدار میں میسر آجاتا ہے۔اس لیے ان علاقوں میں عموماً آبادی زیادہ ہوتی ہے۔بڑے بڑے قدیم شہر دریاؤں کے کناروں پر ہی آباد ہیں۔مصر کی وادیٔ نیل، بھارت کی وادیٔ گنگا وجمنا، پاکستان کی وادیٔ سندھ اور عراق کی وادیٔ دجلہ وفرات کا شمار اسی قسم کے علاقوں میں ہوتا ہے۔یہ وادیاں نہ صرف زمانہ قدیم سے گنجان آباد ہیں بلکہ یہ انسانی تہذیب وتمدن کا گہوارہ بھی رہی ہیں۔معتدل اور نیم گرم آب وہوا والے علاقے جہاں بارش کافی ہوتی ہے اکثر آباد ہیں مثلاً بحیرۂ روم کی آب وہوا اور مون سونی آب وہوا کے خطے۔اس کے مقابلے میں شدید سردی، شدید گرمی والے علاقے، استوائی جنگلات اور صحرائی علاقے قلیل آباد ہیں۔

معدنی پیداوار:۔

وہ علاقے جہاں قیمتی معدنیات پائی جاتی ہیں مثلاً کوئلہ، تیل، لوہا گیس یا قیمتی پتھر وغیرہ، وہاں روزگار حاصل کرنے کے لیے انسانوں کی کافی تعداد جمع ہوجاتی ہے۔ایسے علاقوں میں نقل وحمل کی سہولتیں موجود ہوتی ہیں۔معدنی علاقوں کے قریب کارخانے اور فیکٹریاں بھی قائم ہوجاتی ہیں۔بڑے بڑے صنعتی شہر وجود میں آجاتے ہیں اور آبادی بڑھ جاتی ہے۔

تجارتی شاہراہیں:۔

جو مقام یا علاقے تجارتی شاہراہوں پر یا ان کے آس پاس واقع ہوں وہاں کی آبادی بڑھ جاتی ہے۔ خشکی کے علاوہ بحری اور ہوائی راستے بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں۔چنانچہ ایسے شہر اور علاقے جہاں تجارتی منڈیوں کے علاوہ بڑی بندرگاہیں اور ہوائی اڈے ہیں ان کی آبادی بڑھ جاتی ہے۔

سیاسی اور معاشرتی حالات:۔

ایسے علاقے جہاں سیاسی حالات پرسکون ہو۔لوگوں کو معاشرتی آزادیاں اور معاشی سہولتیں میسر ہوں، وہاں آبادی کا اجتماع زیادہ ہوتا ہے۔بعض دفعہ سیاسی، مذہبی یا سماجی وجوہات کی بناء پر آبادی ایک علاقے سے دوسرے علاقوں میں منتقل ہونے پر مجبور ہوجاتی ہے۔جس طرح تقسیم کے وقت ہندوستان سے قریباً ساٹھ پینسٹھ لاکھ مسلمان پاکستان میں ہجرت کرکے آئے تھے۔اسرائیل کے قیام کے بعد دنیا بھر کے یہودی اسرائیل میں آکر جمع ہونے لگے اور ان کی وجہ سے قریباً بیس لاکھ فلسطینی عرب مسلمان آس پاس کے مسلم ممالک میں چلے گئے۔

آبادی میں اضافہ:۔

دنیا کی آبادی میں تیزی سے اور مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔اس اکا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ 1920ء میں دنیا کی آبادی 2.1 بلین (دوارب دس کروڑ) تھی جو بڑھ کر 1960ء میں 3.1 بلین (تین ارب دس کروڑ) اور 1987ء میں 5.1 بلین (پانچ ارب دس کروڑ) ہوگئی تھی اور اب 6.5 بلین (ساڑھے چھے ارب) ہوچکی ہے۔جن ممالک کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے ان میں پاکستان بھی شامل ہے۔

آبادی میں اضافے سے کئی مسائل پیدا ہورہے ہیں۔ان میں خوراک، رہائش، تعلیم، علاج اور ذرائع آمدورفت کے مسائل سرفہرست ہیں۔آبادی میں اضافے کے ساتھ ساتھ اگر وسائل پیداوار میں اضافہ نہ ہو تو لوگوں کو کئی مشکلات کا سامنا کرپڑتا ہے۔اس لیے آبادی اور پیداوار میں توازن قائم کرنا ضروری ہے۔جدید مشینی طریقے اختیار کرکے زرعی اور صنعتی پیداوار میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔لیکن کارخانوں اور فیکٹریوں کی تعداد میں اضافہ، بے تحاشا ٹریفک اور ہر شعبہ زندگی میں مشینوں کا استعمال، ماحول ل کی آلودگی میں بھی اضافے کا سبب بنتا ہے۔اس آلودگی کے مضر اثرات سے صرف انسان ہی نہیں بلکہ تمام جاندار حتیٰ کہ پودے اور فصلیں بھی محفوظ نہیں رہ سکتیں۔ان سب مشکلات کا حل یہ ہے کہ تمام دستیاب وسائل کو پوری طرح کام میں لایا جائے۔ خوب محنت کرکے پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کیا جائے۔آبادی میں اضافے کی شرح کم کی جائے۔اس

طرح موجودہ آبادی کی ضروریات پوری ہوسکیں گی اور لوگ خوش حال زندگی بسر کرسکیں گے۔

دنیا کے مشہور شہر:۔

نیویارک:۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے مشرقی ساحل پر دریائے ہڈسن کے کنارے رواقع یہ ایک گنجان آباد صنعتی شہر ہے۔ یہ امریکہ کا سب سے بڑا شہر اور مشہور بندرگاہ ہے۔ جگہ کی کمی کو پورا کرنے کے لیے چالیس چالیس منزلہ عمارتیں بنائی گئی ہیں۔ اس میں متعدد کارخانے ہیں۔ جن میں ملبوسات، مکانوں کی آرائش وزیبائش اور روزمرہ استعمال کی چیزیں کافی مقدار میں تیار کی جاتی ہیں۔ اس شعبے میں دو لاکھ سے زیادہ لوگ کام کرتے ہیں۔ یہاں کے لوگوں کا عام پیشہ صنعت اور تجارت ہے۔ نیویارک میں آٹھ لاکھ سے زائد افراد کا پیشہ تجارت ہے۔ قریباً اتنے ہی لوگ صنعتی پیشہ سے وابستہ ہیں۔ اس شہر میں چھاپہ خانے بھی بے شمار ہیں۔ جن میں کتابیں اور اخبارات چھپتے ہیں۔ سوا لاکھ سے زیادہ لوگ اس پیشے سے وابستہ ہیں۔ یہاں تیل صاف کرنے کے بھی کئی کارخانے ہیں۔

شہر کے بعض علاقوں میں اطالوی آبادی زیادہ ہے تو بعض میں یونانی زیادہ بستے ہیں۔ اس شہر میں سیاہ فام باشندوں کی تعداد بھی کافی زیادہ ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر مزدور ہیں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں۔ شہر کی سڑکیں بہت کشادہ اور خوبصورت ہیں۔ یہاں زمین دوز ریلیں بھی چلتی ہیں۔ اس کی آبادی قریباً دو کروڑ ہے۔

صنعتی اور تجارتی شہر ہونے کی وجہ سے فی کس آمدنی بھی زیادہ ہے۔ اسے دنیا کا امیر ترین شہر شمار کیا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کا صدر دفتر اسی شہر میں واقع ہے۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل کے اجلاس یہیں منعقد ہوتے ہیں۔

لندن:۔

لندن جزائر برطانیہ کا دارالحکومت ہے۔ یہ بہت پرانا تاریخی شہر اور مشہور بندرگاہ ہے۔ انگلستان کے جنوب مشرق میں دریائے ٹیمز کے کنارے پر واقع ہے۔ دریائے ٹیمز کی پوری گزرگاہ کے ساتھ جہازوں کے ٹھہرنے کے لیے پلیٹ فارم بنے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے جہاز بآسانی یہاں پہنچ سکتے ہیں۔ یہاں دنیا کے ہر حصے سے مال پہنچتا ہے اور پھر ملک کے دوسرے حصوں اور دوسرے ملکوں کو بھیجا جاتا ہے۔ گیہوں، اون، چائے، گوشت، مکھن، ہاتھی کے دانت اور دیگر کئی قسم کی اشیاء کی تجارت کا مرکز ہے۔

لندن بین الاقوامی تجارت اور سرمایہ کاری کا مرکز ہے۔ دنیا کا تجارتی لین دین زیادہ تر یہاں کے بینکوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ یہاں اہم علمی وثقافتی انجمنیں، ادارے اور میوزیم قائم ہیں۔ لندن ایک گنجان آباد شہر ہے۔ حالیہ اندازے کے مطابق اس کی آبادی بانوے لاکھ ستائیس ہزار چھے سو ہے۔ زیادہ آبادی کی ضروریات مہیا کرنے کے لیے بہت سے کارخانے قائم ہیں۔ ان میں چمڑے کے کارخانے، ملبوسات اور مکانوں کی آرائش وزیبائش کے لیے سامان بنانے کے کارخانے، چھاپہ خانے اور جہاز سازی کے کارخانے خاص طور پر مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ روزمرہ کے استعمال کی اشیاء تیار کرنے کے لیے بھی کئی چھوٹے چھوٹے کارخانے قائم ہیں۔ شہر کو مختلف سرگرمیوں کی بناء پر تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

مشرقی حصے میں قدیم رہائشی علاقے اور بین الاقوامی تجارت وسرمایہ کاری سے متعلق ادارے قائم ہیں۔ اس کے علاوہ عدالتیں، تعلیمی اور تربیتی ادارے، بینک آف انگلینڈ اور اخبارات کے دفاتر بھی یہاں موجود ہیں۔

مغربی علاقہ زیادہ وسیع ہے۔ اس میں عام کاروباری ادارے، میوزیم تھیٹر اور روساء کے مکانات واقع ہیں۔ شہر کے جنوبی حصے میں شاہی محل، پارلیمنٹ ہاس اور اس سے متعلق ادارے ودفاتر قائم ہیں۔ علمی، ادبی، معاشرتی، سیاسی اور جدید تہذیب وثقافت کے لحاظ سے لندن دنیا کے اہم ترین شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

ٹوکیو:۔

ٹوکیو، جاپان کا دارالحکومت ہے۔ جاپان کا ملک براعظیم ایشیا کے مشرق میں چار بڑے اور کئی چھوٹے جزیروں پر مشتمل ہے۔ یہ انتہائی مشرق میں ہے۔ لہٰذا جاپان کو چڑھتے ہوئے سورج کی سرزمین کہتے ہیں۔ پچھلی پون صدی میں جاپان نے صنعتی لحاظ سے زبردست ترقی کی ہے۔ یہی ترقی ٹوکیو کے پھیلاؤ کا سبب بنی۔

ٹوکیو ایک قدیم تاریخی شہر ہے۔ اس کی موجودہ اہمیت گذشتہ صدی سے قائم ہونے والی صنعتوں کی بدولت ہے۔ ٹوکیو میں، مشینری، کپڑا، روزمرہ ضروریات کی چیزیں اور خوراک ومشروبات تیار کرنے والی متعدد فیکٹریاں ہیں۔ بجلی کا سامان، ریڈیو، ٹیلی ویژن کیمرے، گھڑیاں اور متفرق سامان تیار کرنے کے بے شمار چھوٹے بڑے یونٹ کام کرتے ہیں۔ بھاری صنعتوں میں فولاد سازی، جہاز سازی اور تیل صاف کرنے کے کئی بڑے کارخانے شامل ہیں۔ یہ کارخانے زیادہ تر ساحل سمندر کے ساتھ واقع ہیں۔

تیز رفتار گاڑیوں کے علاوہ ٹوکیو ایک پٹری پر چلنے والی Mono Rail کے لیے مشہور ہے۔ اس کی پٹری سطح زمین سے بلند ہے۔ جو دوسری لائنوں، سڑکوں یا چوراہوں میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ یہ ان کے اوپر سے لٹکتی ہوئی گزرتی ہے۔ ٹوکیو میں اب ڈبل ڈیکر گاڑی بھی چلنے لگ گئی ہے۔ ٹوکیو رہائشی اور صنعتی بستیاں اب اتنی پھیل

گئی ہیں کہ قریب کے کئی چھوٹے شہر ٹوکیو میں شامل ہو گئے ہیں۔ایک اندازے کے مطابق اس کی کل آبادی دو کروڑ پینسٹھ لاکھ ہے۔

بیجنگ:۔

بیجنگ، عوامی جمہوریہ چین کا دار الحکومت ہے۔ آبادی کے لحاظ سے چین دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔بیجنگ ملک کے شمال مشرقی حصے میں واقع ہے۔حالیہ اندازے کے مطابق اس کی آبادی ایک کروڑ چھبیس لاکھ ہے۔

بیجنگ قدیم زمانے سے اہم تجارتی مرکز رہا ہے۔1949ء میں عوامی جمہوریہ چین کے قیام کے بعد شہر میں متعدد رہائشی، صنعتی، تعلیمی اور سماجی اہمیت کے منصوبے مکمل کیے گئے ہیں۔اب بیجنگ قدیم وجدید بستیوں کا ایک وسیع شہر ہے۔

بیجنگ میں سردی کا موسم خاصا شدید ہوتا ہے۔سال میں قریباً چار ماہ تک درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے نیچے رہتا ہے۔یہاں شمال مغربی سرد ہوائیں چلتی ہیں جن کی شدت کے سبب بیجنگ کی تمام عمارتوں کے دروازے جنوبی رخ پر رکھے جاتے ہیں۔

شہر کی قدیم اندرونی بستی مربع شکل کی ہے۔اس کی دیواروں میں آمنے سامنے دروازے ہیں۔

دوسرے حصے میں نئی قائم ہونے والی فیکٹریاں، کارخانے، سکول، قومی تقریبات سے متعلق عمارات محنت کشوں کے رہائشی بلاک ہیں۔یہیں بیجنگ کا عظیم عوامی ہال سنگ مرمر کے بلند وبالا ستونوں پر تعمیر کیا گیا ہے۔اس کی چھت کھلے کنول جیسی ہے۔یہاں قومی کانگرس کا اجلاس ہوتا ہے۔اس کے ہال میں دس ہزار افراد کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔

بیجنگ کارخانوں کے بڑا مرکز بن گیا ہے۔یہاں فولاد سازی، انجینئرنگ کا سامان، بجلی کی مشینیں اور متفرق آلات تیار کیے جاتے ہیں۔اسی شہر میں ریلوے انجن، کاریں اور ٹریکٹر جیسی بڑی اور بھاری مشینیں بھی تیار ہوتی ہیں۔

شنگھائی:۔

شنگھائی عوامی جمہوریہ چین کے مشرقی ساحل پر ایک قدرتی بندرگاہ ہے۔شنگھائی دریائے ینگ سی کیانگ کے کنارے پر آباد ہے۔اس دریا کی وادی بڑی زرخیز ہے۔اس وادی میں کئی مقامات پر معدنیات کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔اس طرح شنگھائی صنعت وتجارت کا عظیم مرکز بن گیا ہے۔

تجارتی لحاظ سے شنگھائی کو قریباً ڈیڑھ سو سال اس وقت شہرت حاصل ہوئی جب یہاں سے دنیا بھر کو ریشم اور چائے برآمد ہونے لگی۔پھر ریشم اور سوتی کپڑے کے کارخانے قائم ہوئے اور شہر کی بستیاں دریائے ینگ سی کیانگ کے ساتھ ساتھ پھیلنے لگیں۔شنگھائی کے قدیم صنعتوں میں کپڑے کے علاوہ کاغذ سازی اور بحری جہاز سازی بھی شامل ہیں۔اس صدی کے ابتداء میں شہر کے قریبی علاقوں سے حاصل ہونے والے خام لوہے اور کوئلے کی مدد سے فولاد کے کئی کارخانے قائم ہو گئے۔شنگھائی میں اب صنعت وتجارت کے علاوہ تہذیبی سرگرمیاں بھی بڑھ گئی ہیں۔شنگھائی اپنے کئی بڑے تعلیمی اداروں، دو یونیورسٹیوں اور چھاپہ خانوں کی وجہ سے بھی مشہور ہے۔ایک اندازے کے مطابق شنگھائی اور اس کے قریب وجوار کی آبادی ایک کروڑ سینتالیس لاکھ ہے۔

ماسکو:۔

ماسکو روس کا صدر مقام ہے۔روس رقبے کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔یہ ملک براعظم ایشیا کے شمالی اور براعظم یورپ کے شمال مشرقی حصے پر مشتمل ہے۔

ماسکو، یورپی روس کے وسطی میدانی علاقے میں واقع ہے۔ایک اندازے کے مطابق اس کی آبادی اٹھاسی لاکھ ہے۔ماسکو میں سردی کا موسم خاصا طویل اور شدید ہوتا ہے۔

ماسکو کی قدیم عمارتوں میں دریا کے قریب کریملن کا قلعہ اور پیازی شکل کے گنبدوں والا بڑا گرجا گھر انوکھے طرز تعمیر کا نمونہ ہیں۔گذشتہ پچاس سال میں باضابطہ منصوبہ بندی کے تحت نئی بستیوں میں کثیر المنزلہ رہائشی عمارتوں، سکولوں اور تفریحی پارکوں کے علاوہ مارکیٹیں اور صنعتی پلاٹ بنائے گئے ہیں۔

ماسکو کا قریباً ایک تہائی رقبہ پارکوں اور کھلی جگہوں کے لیے وقف ہے۔ان میں 70 کے قریب سٹیڈیم، 300 سے زائد گراؤنڈ اور 100 سے زائد پارک شامل ہیں۔کھیل وتفریح کے لیے کئی بڑے بڑے تھیٹر اور سرکس بھی ہیں۔ان میں ماسکو سٹیٹ سرکس دنیا بھر میں مشہور ہے۔ماسکو کے قریب ہی کوئلہ اور دوسری معدنیات کی کانیں ہیں۔اس لیے ماسکو کے قریب وجوار میں بہت سے کارخانے قائم ہیں۔ان میں کیمیائی اشیاء، کاریں، ہوائی جہاز اور متفرق مشینیں بڑے پیمانے پر تیار ہوتی ہیں۔

پیرس:۔

پیرس فرانس کا دار الحکومت اور یورپ کا مشہور ترین شہر ہے۔فرانس کے ایک جانب بحر اوقیانوس اور دوسری جانب بحیرۂ روم واقع ہے۔ملک میں معدنیات اور زرخیز زمین دونوں کی فراوانی ہے۔ملک کا مشہور

دریا سین ہے۔ یہ دریا شہر کے بیچوں بیچ سے بل کھاتا ہوا گزرتا ہے۔ پیرس ایک بڑا تجارتی اور ثقافتی مرکز ہے۔ اس کے کئی ثقافتی ادارے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ شہر کے وسطی حصے میں نوٹرے ڈیم کا مشہور گرجا گھر واقع ہے۔ اقوام متحدہ کے تعلیمی، ثقافتی اور سائنسی ادارے (یونیسکو) کا مرکزی دفتر بھی پیرس میں واقع ہے۔

پیرس عام استعمال کی اشیاء کی تیاری کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ ان اشیاء میں میک اپ کا سامان، عطر و خوشبویات، فیشن کے کپڑے و زیورات اور فرنیچر خاص شہرت رکھتے ہیں۔ پیرس کتابوں اور رسالوں کی طباعت بھی اہم مرکز ہے۔

پیرس شہر کو نہ صرف فرانس میں بلکہ پورے یورپ میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ ان اشیاء میں میک اپ کا سامان، عطر و خوشبویات، فیشن کے کپڑے و زیورات اور فرنیچر خاص شہرت رکھتے ہیں۔ پیرس کتابوں اور رسالوں کی طباعت کا بھی اہم مرکز ہے۔

پیرس شہر کو نہ صرف فرانس میں بلکہ پورے یورپ میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ یہاں روزانہ ہزاروں سیاح آتے ہیں۔ قرب و جوار کے علاقے سے کام کاج کے لیے روزانہ آنے والوں کی تعداد بھی لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ لہٰذا پیرس میں سڑکوں، ریلوں اور زیر زمین ریل کا خاص انتظام کیا گیا ہے۔ حالیہ اندازے کے مطابق پیرس کی آبادی قریباً چھیانوے لاکھ ہے۔ اب حکومت کی طرف سے پیرس کے ارد گرد کئی نئی آبادیاں بسائی جا رہی ہیں تا کہ لوگ شہر سے ادھر منتقل ہو جائیں اور اس شہر کی آبادی میں مزید اضافہ نہ ہو۔

سڈنی:۔

سڈنی، براعظم آسٹریلیا کا سب سے بڑا شہر اور ایک عمدہ قدرتی بندرگاہ ہے۔ آسٹریلیا کا زیادہ تر حصہ ریگستان ہے۔ 1996ء کی مردم شماری کے مطابق اس براعظم کی کل آبادی قریباً ایک کروڑ اناسی لاکھ ہے۔ اس میں 80 فیصد برطانیہ اور بقیہ دیگر یورپی ممالک سے آنے والے آبادکار شامل ہیں۔ آسٹریلیا میں وسیع علاقے ابھی غیر آباد پڑے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق سڈنی کی آبادی قریباً اکتالیس لاکھ ہے۔ زیادہ تر ایک منزلہ مکانات کا رواج ہے۔ شہر کے مرکزی حصے میں اب نئی طرز کی بلند و بالا عمارتیں تعمیر ہو رہی ہیں۔ ساحل سمندر پر تعمیر ہونے والا اوپرا ہاؤس پھول نما انوکھے طرز کی عمارت ہے۔ سڈنی کی بندرگاہ پر ستونوں کے بغیر قائم ہونے والا پل سڈنی ہاربر برج فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یہ پل لوہے کے بڑے گارڈروں کو ملا کر 1933ء میں تعمیر کیا گیا تھا۔

سڈنی میں زیادہ تر عام استعمال کی اشیاء تیار ہوتی ہیں۔ البتہ برآمد کے لیے گوشت، دودھ، مکھن وغیرہ

ڈبوں میں بند کرنے کی صنعت تجارتی لحاظ سے اہم ہے۔ سڈنی تجارتی کاروبار کے علاوہ بین الاقوامی سیاحت اور تفریح گاہوں کے لیے مشہور ہے۔ خاص طور سے سمندری ساحل کے ساتھ کشتی رانی، تیراکی اور آئس سکیٹنگ بڑے مقبول کھیل ہیں۔

بیونس آئرس:۔

بیونس آئرس، ارجنٹائن کا دارالحکومت ہے۔ ارجنٹائن گھاس کے کھلے میدانوں کی وجہ سے گائیوں اور بھیڑوں کی افزائش کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ گوشت، دودھ، مکھن، کھالیں اور اون ارجنٹائن کی اہم برآمدات ہیں۔ بیونس آئرس ایک مشہور بندرگاہ ہے۔

بیونس آئرس کو اس وقت سے خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ جب اس صدی کے ابتدائی سالوں میں سپین اور اٹلی سے بڑی تعداد میں آبادکار یہاں آئے اور انہوں نے یہاں مویشیوں کی بڑے پیمانے پر افزائش کا کام سنبھالا۔ جلد ہی یہاں اون، گوشت، مکھن وغیرہ کے ذخیرے اور ان کی برآمد کے لیے تجارتی ادارے قائم ہونے لگے۔

بیونس آئرس کے قرب و جوار میں معدنی تیل بھی ملتا ہے، اس لیے شہر کے مضافات میں تیل صاف کرنے کا بڑا کارخانہ بھی ہے۔ دوسری صنعتوں میں کپڑے، جوتے اور فولاد کے کارخانے اہم ہیں، حالیہ اندازے کے مطابق بیونس آئرس اور اس کے قرب و جوار کی آبادی ایک کروڑ اڑتالیس لاکھ ہے۔ شہر میں بڑی اور کھلی سڑکیں عام ہیں۔

بیروت:۔

بیروت، لبنان کا دارالحکومت ہے۔ لبنان مغربی ایشیا میں بحیرۂ روم کے مشرقی جانب نسبتاً ایک چھوٹا ملک ہے۔ لبنان ایک تنگ ساحلی پر مشتمل ہے۔ جس کے مشرقی حصے میں شرقاً غرباً دو متوازی پہاڑی سلسلے ہیں۔ ان پہاڑوں کے درمیان وادیٔ بقا خاص زرخیز ہے۔ پہاڑی ڈھلوانوں پر صنوبر کے درخت اور سیب کے باغات ہیں۔ یہاں کی مشہور اور اہم برآمدات ریشم، اون اور پھل ہیں انہی کی بدولت بیروت کی بندرگاہ قدیم زمانے سے شہرت رکھتی ہے۔

بیروت شہر سمندر میں آگے کی طرف بڑھے ہوئے ساحلی حصے پر آباد ہے۔ اس لیے بیروت کی بندرگاہ بحری جہازوں کے لیے بڑی محفوظ ہے۔ البتہ موجودہ صدی میں بیروت یورپ سے مشرق کی جانب ہوائی سفر کا ایک اہم ہوائی اڈہ بن گیا ہے۔ بیروت کے نزدیک ہی ساحل کے ساتھ تیل صاف کرنے کا بڑا کارخانہ ہے۔

سعودی عرب اور عراق سے پائپ لائنوں کی مدد سے آیا ہوا خام تیل یہاں صاف کیا جاتا ہے۔ بیروت تعلیم کا اہم مرکز ہے۔ اس شہر میں پانچ یونیورسٹیاں ہیں۔ ان میں سے ایک امریکن یونیورسٹی آف بیروت بھی ہے۔ یہ تربیت اساتذہ کرام کا اہم مرکز ہے۔

قاہرہ:۔

قاہرہ عرب جمہوریہ مصر کا دارالحکومت ہے۔ قاہرہ دریائے نیل کے کنارے اس مقام پر واقع ہے۔ جہاں دریائے نیل ڈیلٹا کی دو بڑی شاخوں میں بٹ جاتا ہے۔ یہ ایک قدیم شہر ہے۔ قاہرہ آبادی کے لحاظ سے براعظم افریقہ کا سب سے بڑا شہر ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس کی آبادی قریباً اڑسٹھ لاکھ ہے۔

قاہرہ شہر کا اندرونی علاقہ قدیم طرز تعمیر کا مرقع ہے۔ موجودہ شہر کا بڑا حصہ دریا کے مشرقی جانب آباد ہے۔

قاہرہ میں کئی اہم تاریخی عمارتیں ہیں۔ ان میں آبادی سے باہر سلطان صلاح الدین ایوبی کا قلعہ مشہور ہے۔ اس قلعے میں واقع محمد علی مسجد اور قریب ہی مسجد سلطان حسن اپنے خوش نما طرز تعمیر کی بدولت اہم ہیں۔ شہر کے قدیم رہائشی علاقے کے وسط میں دنیائے اسلام کی مشہور یونیورسٹی جامعۃ الازہر واقع ہے اس کا شمار دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹیوں میں ہوتا ہے۔ ساتھ ہی مسجد الازہر ہے۔

قاہرہ شروع ہی سے اہم تجارتی مرکز رہا ہے۔ شہر میں عام ضروریات کا سامان قدیم زمانے سے تیار ہوتا آرہا ہے۔ قاہرہ کی بڑی صنعتوں میں کپڑا، چینی، انجینئرنگ کا سامان، موٹریں اور فریج وغیرہ شامل ہیں۔

استنبول:۔

یہ ترکی کا سب سے بڑا شہر اور بندرگاہ ہے۔ ترکی اشیا اور یورپ کو ملانے والے جزیرہ نماؤں مشتمل ہے۔ استنبول شہر ایسے مقام پر آباد ہے جہاں سے ایشیا اور یورپ کی سرزمین کا فاصلہ ایک کلومیٹر سے بھی کم رہ جاتا ہے۔ اس کا بیشتر حصہ براعظم یورپ میں ہے جو یورپی ترکی کہلاتا ہے۔ استنبول ایک قدیم تاریخی شہر ہے جس کا پرانا نام قسطنطنیہ ہے۔

حالیہ اندازے کے مطابق اس کی آبادی قریباً ایک کروڑ ہے۔ یہاں بہت خوب صورت مسجدیں اور گرجا گھر پائے جاتے ہیں۔ اس کے آس پاس کا علاقہ بہت زرخیز ہے۔ استنبول ملکی و غیر ملکی تجارت کا مرکز ہے۔ ملک کے 70 فیصد مال کی درآمد و برآمد اسی بندرگاہ سے ہوتی ہے۔ روئی، تمباکو، سگریٹ، معدنیات، اناج اور قالین اہم برآمدی اشیا ہیں۔

مکہ معظمہ:۔

مکہ مکرمہ سعودی عرب کا اہم ترین شہر ہے۔ سعودی عرب کا بڑا حصہ خشک سطح مرتفع پر مشتمل ہے۔ اس کے مغربی حصے میں چند پہاڑی سلسلے ہیں۔ انہیں پہاڑیوں کے ساتھ ساحل سے چند کلومیٹر اندر کی طرف مکہ مکرمہ آباد ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت اسی شہر میں ہوئی۔ اس لحاظ سے یہ شہر مسلمانوں کے لیے بڑی حرمت اور عزت والا ہے۔ اسی شہر میں کعبۃ اللہ ہے جسے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل (علیہما السلام) نے اللہ کے حکم پر تعمیر کیا تھا۔ حرم کعبہ اس قدر وسیع ہے کہ اس میں بیک وقت تین لاکھ نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ تمام روئے زمین کے مسلمان اس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ ہر سال دنیا کے کونے کونے سے لاکھوں مسلمان حج کا فریضہ ادا کرنے کے لیے یہاں آتے ہیں۔ اس کے قریب غار حرا ہے۔ جہاں آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلی وحی نازل ہوئی۔ اس کے قریب ہی کوہ صفا ہے جس پر چڑھ کر آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ دعوت اسلام دی تھی۔ اس مقدس شہر میں دنیا کی ہر نسل کے مسلمان آباد ہیں۔ اس شہر میں ماضی قریب میں کئی تعمیراتی منصوبے مکمل کیے گئے اور کئی منصوبے زیر عمل ہیں۔ ان منصوبوں کے تحت شہر میں کئی ڈسپنسریاں، ہسپتال، شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی، رابطہ عالم اسلامی کے دفاتر اور حاجیوں کے قیام کے لیے کئی عمارات تعمیر کی گئی ہیں۔

نئی دہلی:۔

نئی دہلی دریائے جمنا کے کنارے پر واقع ہے۔ یہ قدیم تاریخی شہر ہے۔ قدیم زمانے سے ہندو راجاؤں اور مسلمان بادشاہوں کا دارالحکومت چلا آرہا ہے۔ اس وقت بھی بھارت کا دارالحکومت ہے سترھویں صدی میں شاہجہاں نے اسے نئے سرے سے آباد کیا تھا۔ اس حصے کو نئی دہلی یا شاہجہاں آبادی کہتے ہیں۔ نئی دہلی ایک تجارتی شہر ہے۔ یہاں کپڑا بننے، چینی بنانے، آٹا پیسنے، بسکٹ بنانے اور برش بنانے کے کارخانے ہیں۔ اس کے علاوہ گوٹا، زری اور گلکاری کا کام بھی بہت عمدہ انداز میں ہوتا ہے۔

دہلی، بھارت کا اہم تعلیمی مرکز بھی ہے۔ یہاں کئی کالج، جامعہ ملیہ، طبیہ کالج اور یونیورسٹی قائم ہے، لال قلعہ جامع مسجد گھنٹہ گھر، حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اور چاندنی چوک قابل دید ہیں۔ نئی دہلی کی سڑکیں وسیع اور کشادہ ہیں۔ اکثر سرکاری دفاتر اور عمارتیں اسی علاقہ میں واقع ہیں۔ یہ شہر ریل کے ذریعے ملک کے تمام اہم مقامات سے ملا ہوا ہے اور ہوائی راستوں کا مرکز ہے۔ حالیہ اندازے کے مطابق اس کی آبادی

قریباً ایک کروڑ چالیس لاکھ ہے۔

کراچی:۔

کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر اور واحد قدرتی بندرگاہ ہے۔ یہ بحیرۂ عرب کے ساحل پر واقع ہے۔ پاکستان کا سب سے بڑا ہوائی اڈا یہاں موجود ہے۔ یورپ سے جنوب مشرقی ایشیا، جاپان اور آسٹریلیا کو جانے والی پروازوں کے لیے یہ اہم ترین ہوائی اڈا ہے۔ کراچی سے رنگون، سری لنکا، تہران، بغداد، روم، لندن، امریکہ، ماسکو، بیجنگ کے لیے دن رات ملکی اور غیر ملکی سروس جاری رہتی ہے۔

کراچی کے آب وہوا معتدل ہے۔ آبادی بہت گنجان ہے۔ حالیہ اندازے کے مطابق اس کی آبادی قریباً ایک کروڑ ہے۔ یہاں بے شمار کارخانے موجود ہیں اور مزید کارخانے لگائے جا رہے ہیں۔ ان میں آٹا پیسنے، اونی و سوتی کپڑا بننے، سیمنٹ تیار کرنے، شیشے کا سامان اور ادویات بنانے، سگریٹ سازی، تیل نکالنے اور جوتے بنانے کے کارخانے شامل ہیں۔

بڑی صنعتوں میں جہاز سازی، فولاد سازی اور تیل صاف کرنے کے کارخانے قائم ہو چکے ہیں۔

کراچی پاکستان کا اہم تجارتی مرکز بھی ہے۔ ملک میں تیار ہونے والے سامان کے علاوہ درآمدی اشیاء کی وسیع پیمانے پر تجارت ہوتی ہے۔ پاکستان کی تمام درآمدات اور برآمدات کی تجارت اس بندرگاہ سے ہوتی ہے۔ پاکستان کے بیشتر بینکوں اور سرمایہ کاری کے اداروں کے مرکزی دفاتر اسی شہر میں قائم ہیں۔ کراچی بڑا بارونق شہر ہے۔ کیماڑی، کلفٹن، منوڑا، اسمبلی چیمبرز اور کراچی یونیورسٹی قابل دید مقامات ہیں۔

بابائے قوم قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بھی اسی شہر میں ہے۔

موجودہ سائنسی ترقی کی بدولت ملیریا، ہیضہ، چیچک، طاعون، تپ دق جیسے امراض پر قابو پا لیا گیا ہے۔ ناگہانی آفات مثلاً زلزلہ، طوفان، سیلاب، قحط میں فوری طور پر امداد پہنچا کر لاکھوں لوگوں کو تباہی سے بچا لیا جاتا ہے۔ اس طرح سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ آبادی کے بڑھنے سے کئی مسائل پیدا ہو گئے ہیں جن میں خوراک، رہائش اور آمدورفت کے ذرائع سرفہرست ہیں۔ حکومت پاکستان کی کوشش ہے کہ آبادی میں اضافے کی رفتار کو کم کیا جائے تاکہ موجودہ وسائل پر بوجھ نہ پڑے۔

مشقی سوالات

(الف) جوابات دیجیے۔

۱۔ آبادی کی گنجانی سے کیا مراد ہے اور اس کا دار و مدار کن باتوں پر ہے؟

۲۔ دنیا میں چار اہم گنجان آباد علاقے کون کون سے ہیں؟ ہر علاقے میں کون کون سے ممالک شامل ہیں؟ نیز ان میں آبادی کی گنجانی کی کیا وجوہات ہیں؟

۳۔ دنیا کے کم گنجان آباد علاقے کون کون سے ہیں؟ ان میں آبادی کی کمی کی کیا وجوہات ہیں؟

۴۔ کسی ملک کی شہری اور دیہاتی آبادی کے تناسب سے اس ملک کی معاشی ترقی کا کس طرح اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ شہروں کی جانب آبادی کے منتقل ہونے کے کیا فوائد و نقصانات ہیں؟

۵۔ مندرجہ ذیل کہاں واقع ہیں اور کیوں مشہور ہیں؟

مکہ معظمہ، نیویارک، بیجنگ، ٹوکیو، لندن، ماسکو، استنبول، قاہرہ، کراچی، نئی دہلی۔

(ب) درج ذیل بیانات میں سے کچھ درست ہیں اور کچھ غلط۔ درست بیانات کے آگے ''ص'' کا نشان اور غلط بیانات کے آگے ''غ'' کا نشان لگائیں۔

۱۔ آبادی کے لحاظ سے چین دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔

۲۔ ماسکو کا قریباً ایک تہائی رقبہ پارکوں اور کھلی جگہوں کے وقف ہے۔

۳۔ نیویارک آبادی کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا شہر ہے۔

۴۔ سڈنی براعظم آسٹریلیا کا سب سے بڑا مشہور شہر ہے۔

۵۔ قاہرہ، افریقہ کی مشہور بندرگاہ ہے۔

(ج) عملی کام

دنیا کے نقشے کے خاکے میں دس اہم شہروں کو ظاہر کیجیے۔

باب نمبر4

قیام پاکستان کے لیے جدوجہد

(1940ء - 1947ء)

مارچ 1940ء سے تحریک پاکستان کا اہم ترین دور شروع ہوا۔ اب مسلمانان جنوبی ایشیا قائداعظم کی رہنمائی میں منظم ہو چکے تھے۔ جنوبی ایشیا کے ہر علاقے کے مسلمان اس بات پر متفق تھے کہ جہاں جہاں ان کی اکثریت ہے ان علاقوں کو ملا کر ایک آزاد مسلم حکومت قائم ہو۔ مسلمانوں کے اس اتحاد کی بدولت صرف سات سال کے مختصر عرصہ میں 14 اگست 1947ء کو آزاد وطن پاکستان کا قیام عمل میں آ گیا۔

جواز پاکستان:۔

برصغیر میں انگریزوں کے تسلط کے بعد، مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اپنے اپنے حقوق کے لیے ایک جدوجہد شروع ہو گئی۔ ہندو اپنی غالب اکثریت کے بل بوتے پر مسلمانوں کے حقوق کو بھی پامال کرنا چاہتے تھے۔ 1940ء تک دونوں اقوام کے درمیان کئی معاملات پر اتفاق بھی ہوا مگر مجموعی طور پر مسلمانوں میں ہندوؤں کے بارے میں یہی تاثر اجاگر ہوا کہ ہندو کسی طور پر مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ انہیں اپنے زیر تسلط رکھنا چاہتے ہیں۔ اسی کی واضح مثال کانگرسی وزارتوں کے دور میں ہندوؤں کا مسلمانوں سے سلوک تھا۔

اس پس منظر میں مسلمان رہنماؤں نے سوچا کہ مسلمان اپنے لیے الگ ملک کا مطالبہ کریں تا کہ وہ کسی بھی خوف کے بغیر اپنی زندگیوں کا فیصلہ اپنی مرضی سے کر سکیں۔

مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کی ضرورت کا خیال خاصا پرانا تھا۔ کئی مسلمان رہنما وقتاً فوقتاً اس کی طرف اشارہ کر چکے تھے۔ مگر اس کا واضح تصور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے 1930ء کے خطبہ الٰہ آباد میں پیش کیا تھا۔ چودھری رحمت علی رحمۃ اللہ علیہ نے 1933ء میں اس کو پاکستان کا نام دیا جبکہ سندھ مسلم لیگ نے 1938ء میں اس کے بارے ایک قرارداد منظور کی۔

انگریز غیر ملکی تھے اور دوسری جنگ عظیم (1939ء - 1945ء) کے دوران ان کے ہندوستان سے

چلے جانے کے آثار پیدا ہو چکے تھے۔ مسلمان یہاں سینکڑوں سال حکومت کر چکے تھے۔ شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقوں میں ان کی اکثریت تھی۔ وہ حکومت کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ کانگرسی وزارتوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس نے ان کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ جس اصول کے تحت ہندو انگریزوں سے حکمرانی کا حق مانگتے تھے اس اصول کے تحت مسلمانوں کو بھی اپنے اکثریتی علاقوں میں حکومت کرنے کا حق تھا۔ اس خطے میں آزاد مسلم ریاست کا قیام جنوبی ایشیا کے سیاسی مسئلے کا واحد حل تھا۔ لہٰذا مطالبہ پاکستان کا بھرپور جواز موجود تھا۔

قرارداد پاکستان:۔

2مارچ تا24مارچ 1940ء کو اقبال پارک لاہور (اس کا پرانا نام منٹو پارک تھا) میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا جس کی صدارت قائداعظمؒ نے کی۔ اس میں مسلمانوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ اس موقع پر قائداعظم نے فرمایا کہ برصغیر میں اسلام اور ہندومت دو الگ مذہب ہیں اور مسلمان یہاں کی اقلیت نہیں بلکہ ایک الگ قوم ہیں۔ مسلمانوں کا انداز فکر، تہذیب و ثقافت، تمدن، معاشرت اور رسم و رواج الگ ہیں، لہٰذا انہیں اپنا علاقہ، اپنا وطن اور اپنی ریاست الگ چاہیے تا کہ وہ ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنا تشخص قائم رکھ سکیں۔

قائداعظم نے کہا کہ اگر برطانوی حکومت جنوبی ایشیا کے لوگوں کے لیے واقعی امن اور خوشی کے حصول کے متمنی ہے تو اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ برصغیر کو دو خود مختار اور آزاد ریاستوں میں تقسیم کر کے اس خطے کی دو بڑی اقوام یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کو جداگانہ وطن بنانے کی اجازت دے انہوں نے واضح کیا کہ مسلمان کوئی ایسا دستور قبول نہیں کریں گے جس سے ہندو اکثریت کی حکومت قائم ہو جائے۔ قائداعظم کی تقریر کی روشنی میں ایک قرارداد مرتب کی گئی جسے 23 مارچ 1940ء کے اجلاس میں شیر بنگال فضل الحق نے پیش کیا۔ چودھری خلیق الزمان، مولانا ظفر علی خان اور چند دیگر ارکان نے اس کی پرزور تائید کی۔ قرارداد میں زور دے کر کہا گیا ہے کہ:

مسلم لیگ کی سوچی سمجھی رائے کے مطابق اس ملک میں وہی دستور قابل عمل اور مسلمانوں کے لیے قابل قبول ہوگا جس میں برصغیر کا مسلم اور ہندو علاقوں میں تقسیم کرنے کا واضح ذکر موجود ہو۔ اس کی تقسیم اس انداز سے کی جائے کہ برصغیر کے شمال مغربی اور مشرقی مسلم اکثریت کے علاقوں کو ملا کر مسلمانوں کی آزاد اور خود مختار ریاستیں قائم ہو جائیں۔ مسلم اور ہندو خود مختار ریاستوں میں اقلیتوں کے مذہبی، ثقافتی، معاشی، سیاسی اور انتظامی حقوق اور مفادات کی حفاظت کے لیے مؤثر تحفظات کا انتظام کیا جائے۔

یہی قرارداد لاہور بعد میں قرارداد پاکستان کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس قرارداد کے منظور ہونے کے بعد مسلمانوں کی سیاسی تحریک ایک نئے دور میں داخل ہوگئی۔ مسلم لیگ کے زیر اہتمام ملک بھر میں اجلاس منعقد ہوئے جن میں مسلمانوں کے لیے جداگانہ ریاست کا مطالبہ کیا گیا۔ کانگرس کا ردعمل شدید تھا۔ اس کی کوشش تھی کی مسلمانوں کے علیحدہ وطن قائم نہ ہونے دیا جائے۔

قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد قیام پاکستان کی جدوجہد شروع ہوئی جو سات سال جاری رہی۔ ہندوؤں اور انگریزوں نے اس کے راستے میں جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کیں لیکن مسلمانوں کا ارادہ پکا تھا اور ان میں سچی لگن تھی۔ انہیں اپنے موٴقف کے درست ہونے کا پکا یقین تھا اس لیے دشمنوں کی چالیں بالآخر ناکام رہیں۔

کرپس تجاویز:۔

دوسری عالمگیر جنگ کے دوران انگریزوں کی حالت خراب تھی اور برصغیر پر جاپانی قبضہ ہوتا نظر آرہا تھا۔ چنانچہ برطانوی حکومت نے برصغیر کے سیاسی بحران کو حل کرنے کے لیے سر سٹیفورڈ کرپس کی قیادت میں ایک مشن بھیجا کرپس کو حکومت کی طرف سے تجاویز کا ایک مسودہ دے کر بھیجا گیا تھا۔ برصغیر میں آتے ہی اس نے مسلم لیگ، کانگرس اور اقلیتی پارٹیوں کے رہنماؤں ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ایک ہفتہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ کرپس تجاویز کا خلاصہ یہ تھا کہ:۔

ا۔ دوران جنگ برصغیر پر برطانیہ کا قبضہ برقرار رہے گا اور جنگ ختم ہونے کے بعد ملک میں ایک دستور ساز اسمبلی بنائی جائے گی جو ملک کے لیے دستور تیار کرے گی۔

۲۔ آئین وفاقی طرز کا ہوگا جس میں تمام صوبیا ور ریاستیں شامل ہوں گی۔

۳۔ دستور میں یہ گنجائش رکھی جائے گی کہ وفاق میں شامل ہر صوبہ اگر چاہے تو دس سال کے بعد یونین سے علیحدہ ہوسکتا ہے۔ اس طرح الگ ہونے والے صوبے اور ریاستیں اگر چاہیں تو اپنا الگ وفاق بھی بنا سکتے ہیں۔

مسلم لیگ اور کانگرس دونوں نے کرپس تجاویز کو مسترد کر دیا۔ کرپس تجاویز سے متعلق کانگرس کا موقف تھا کہ چونکہ اس میں تقسیم برصغیر کا اشارہ موجود ہے اس لیے اسے یہ قابل قبول نہیں۔ مسلم لیگ نے بھی ان تجاویز کو رد کر دیا۔ مسلم لیگ کا اعتراض تھا کہ اس میں پاکستان کے قیام کا واضح اور سیدھے الفاظ میں وعدہ نہیں کیا گیا۔

کرپس مشن کی ناکامی کے بعد برصغیر کے سیاسی حالات مزید خراب ہوگئے۔

ہندوستان چھوڑ دو تحریک:۔

کرپس کی واپسی کے بعد کانگرس نے ہندوستان چھوڑ دو کا نعرہ لگایا۔ اسکا مطلب یہ تھا کہ انگریز حکومتی اختیارات ہندوؤں کے حوالے کر کے اپنے ملک واپس چلے جائیں۔ ہندو اکثریتی صوبوں میں کانگرسیوں نے بدامنی پھیلادی۔ ریل کی پٹڑیاں اکھاڑ دیں۔ تار کاٹ دیے اور متعدد عمارتوں کو آگ لگا دی مگر جلد ہی حکومت نے اس تحریک کو دبا دیا۔ اس تحریک کے چلانے میں مسلمانوں نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ اسکے برعکس قائداعظمؒ کا نعرہ تھا "تقسیم کرو اور چلے جاؤ"۔

ہندوستان چھوڑ دو کی تحریک کی ناکامی سے کانگرس پر یہ بات واضح ہوگئی کہ مسلم لیگ کے تعاون کے بغیر آزادی کی کوئی تحریک کامیاب نہیں ہوسکتی۔

شملہ کانفرس:۔

1945ء میں انگریزوں کے دوسری جنگ عظیم جیت جانے کے واضح آثار نظر آنے لگے۔ لارڈ ویول برصغیر کے اتحاد کا حامی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جنگ کے بعد مسلم لیگ اور کانگرس مرکزی حکومت میں شریک ہو جائیں۔ اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے اس نے جون 1945ء میں شملہ میں سیاسی جماعتوں کی ایک کانفرس بلائی۔ کانگرس نے مولانا ابوالکلام آزاد کو اپنی طرف سے بھیجا تا کہ یہ بات ثابت کی جاسکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندگی بھی کرتی ہے۔ مسلم لیگ کی نمائندگی قائداعظمؒ نے کی۔ لارڈ ویول چاہتا تھا کہ نئی مرکزی حکومت میں پانچ مسلمان وزیر اور پانچ ہندو وزیر جبکہ تین وزیر دوسری قوموں سے لیے جائیں۔ کانگرس مسلم لیگ کو یہ حق دینے کے لیے تیار نہ ہوئی۔ کہ پانچوں مسلمان وزیر مسلم لیگ سے لیے جائیں۔ اسکا مطالبہ تھا کہ ایک مسلمان وزیر کا نام وہ پیش کرے۔ ویول بھی کانگرس کے موقف کا حامی تھا مگر قائداعظمؒ نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور عام انتخابات کا مطالبہ کیا تا کہ فیصلہ ہو جائے کہ مسلمانوں کی نمائندگی کون کرتا ہے۔ یہ کانفرس ناکام ہوگئی البتہ اہم سیاسی جماعتوں نے ملک میں انتخابات کرانے کے مطالبے سے اتفاق کیا۔

46 - 1945ء کے انتخابات:۔

مسلم لیگ نے پاکستان کے سوال پر عام انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔ مسلمانوں کی واضح اکثریت نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ دسمبر 1945ء میں مرکزی اسمبلی کا انتخاب ہوا۔ اس میں تمام مسلم نشستوں پر

مسلم لیگ کے امیدوار کامیاب ہوئے۔ اگلے ماہ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے۔ مسلم لیگ نے اس میں بھی بھاری اکثریت سے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ پنجاب، بنگال، سندھ میں مسلم نشستوں کی بھاری اکثریت پر مسلم لیگ کا قبضہ ہوگیا۔ کانگرس نے صرف صوبہ سرحد میں سترہ نشستیں حاصل کیں۔ ہندو صوبوں میں بھی مسلم لیگ کی کامیابی شاندار تھی۔ اکثر جگہوں پر مسلم لیگ کے امیدوار کامیاب ہوگئے اور مخالف امیدواروں کو بری طرح شکست ہوئی۔

انتخابات کے نتائج نے یہ بات ثابت کردی کہ مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اور یہ کہ وہ پاکستان کا قیام چاہتے ہیں نیز مسلم لیگ کو ہی مسلمانوں کی نمائندگی کا حق حاصل ہے۔ اسکے باوجود کانگرس نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کا ترجمان تسلیم نہ کیا اور خود مسلمانوں کا نمائندہ ہونے کا دعویٰ کرتی رہی۔ انتخابات کے بعد بنگال میں مسلم لیگ نے حکومت بنائی۔ پنجاب میں کانگرس نے چند مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا کر وزارت بنائی۔ سندھ میں مسلم لیگ کی حکومت بنی۔ سرحد میں کانگرس نے مخلوط حکومت بنائی۔

وزارتی مشن:۔

برطانیہ کی نئی لیبر حکومت، کانگرس کی بڑی طرفداری کرتی تھی۔ اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین سمجھوتہ کرانے کے لیے تین وزیروں کا ایک وفد بھیجا۔ گفت وشنید کے بعد یہ وفد اس نتیجہ پر پہنچا کہ مسلم لیگ کی رضامندی کے بغیر کام نہ چلے گا۔ اس مشن کو وزارتی مشن کہتے ہیں۔ وزارتی مشن نے اپنی تجاویز میں صوبوں کے تین گروپ بنائے۔ پہلے گروپ میں تمام ہندو اکثریتی صوبے تھے۔ دوسر گروپ میں پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان شامل تھے۔ اور تیسرا گروپ بنگال اور آسام پر مشتمل تھا۔ مرکزی حکومت کے پاس تین محکمے تھے۔ باقی تمام اختیارات صوبوں کو حاصل تھے۔ اس نظام میں گروہ بندی کی زیادہ اہم بات یہ تھی کہ اگر کوئی گروپ چاہے تو دس برس بعد اپنی آزاد حکومت قائم کرسکتا تھا۔ اسکے ساتھ یہ تجویز بھی کیا گیا تھا کہ مسلم لیگ اور کانگرس دونوں نئی حکومت میں شامل ہوجائیں۔ منصوبے کے دونوں حصوں کو قبول کرنا لازمی تھا۔ منصوبے میں واضح کیا گیا تھا کہ جو سیاسی جماعت اس منصوبے کو من وعن سے قبول کرے گی اسے حکومت بنانے کا اختیار دیا جائے گا۔ مسلم لیگ نے پورے منصوبے کی منظوری دے دی مگر کانگرس نے منصوبے کا صرف پہلا حصہ قبول کیا اور دوسرے حصہ کو ماننے سے انکار کردیا۔

عبوری حکومت:۔

وزارتی مشن کا پورا منصوبہ قبول کرنے کے بعد مسلم لیگ حکومت بنانے کی حقدار تھی۔ لیکن انگریز نے اس

کو یہ حق دینے سے انکار کردیا۔ حکومت کی وعدہ خلافی کی وجہ سے مسلم لیگ نے وزارت میں شمولیت کا فیصلہ واپس لے لیا تو حکومت نے کانگرس کو عبوری حکومت میں شامل ہونے کی اجازت دے دی جسے موخر الذکر نے فوراً منظور کرلیا۔ چنانچہ جواہر لال نہرو کی سرکردگی میں کانگرس کے کچھ وزراء کو حکومت میں شامل کرلیا گیا لیکن جلد ہی وائسرائے کو احساس ہوگیا کہ مسلم لیگ کی شمولیت کے بغیر عبوری حکومت نہیں چل سکے گی۔ اس لیے اس نے مسلم لیگ کو بھی وزارت میں شمولیت کی پیش کش کردی جسے مسلم لیگ نے قومی مفاد کی خاطر قبول کرلیا۔ لیاقت علی خان کی سرکردگی میں مسلم لیگ کے پانچ ارکان بھی مرکزی حکومت میں شامل ہوگئے۔ پانچ مرکزی محکمے مسلم لیگ کے حصہ میں آئے۔ ان میں سب سے زیادہ اہم خزانہ کا محکمہ تھا جو لیاقت علی خان کے سپرد ہوا۔ ہندوؤں نے یہ محکمہ مسلم لیگ کو صرف اس لیے دیا تھا کہ وہ اسکو نہ چلا سکے گی اور بدنام ہوجائے گی۔ مگر لیاقت علی خان کامیاب وزیر خزانہ ثابت ہوئے۔ انھوں نے سالانہ بجٹ اس طرح تیار کیا کہ اس سے غریبوں کو فائدہ ہو۔ ہندو سرمایہ دار گھاٹے میں رہے۔ اس پر ہندوؤں نے بجٹ مخالفت شروع کردی اور اس طرح انکا غریب پروری کا کھوکھلا نعرہ بے نقاب ہوگیا۔

3 جون 1947ء کا منصوبہ:۔

برطانوی وزیر اعظم اٹیلی نے برصغیر کو آزاد کردینے کا وعدہ کر رکھا تھا چنانچہ 20 فروری 1947ء کو اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے اس نے اعلان کیا کہ جون 1948ء تک حکومت برطانیہ ہندوستان کو آزاد کردے گی۔ اس دن سے اختیارات ذمہ دار لوگوں کو سونپ دیے جائیں گے۔ یہ اختیارات مرکزی حکومت یا بعض علاقوں میں موجود صوبائی حکومتوں کے سپرد کردیئے جائیں گے یا اس کے لیے کوئی اور موزوں طریقہ استعمال کیا جائے گا جو اہل ملک کے بہترین مفاد میں ہو۔ اس موقع پر یہ بھی اعلان کیا گیا کہ مارچ 1947ء میں لارڈ ویول کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے کے عہدے کا چارج سنبھالیں گے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن ذہنی طور پر برصغیر کی تقسیم کے لیے تیار ہوکر آیا تھا۔ اس لیے یہاں آتے ہی اس نے سیاسی رہنماؤں سے بات چیت شروع کردی تا کہ مسلم لیگ اور کانگرس کو تقسیم کے کسی مشترکہ فارمولے پر متفق کیا جاسکے۔ دونوں جماعتوں سے مذاکرات کے نتیجے میں ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم کا ایک منصوبہ تیار کیا اور اسے لے کر حکومت برطانیہ کی منظوری کے لیے لندن روانہ ہوگیا۔ حکومت کی منظوری کے بعد 3 جون 1947ء کو اس منصوبے کا اعلان کردیا گیا۔ اس کے اہم نکات یہ ہیں۔

۱۔موجودہ دستور ساز اسمبلی اپنا کام جاری رکھے گی لیکن اس دستور کا نفاذ ملک کے صرف ان حصوں پر ہوگا جس کی عوام اسے قبول کرنے پر رضامند ہوگی۔

۲۔پنجاب اور بنگال کی صوبائی اسمبلیوں میں مسلم اور غیر مسلم اکثریت رکھنے والے اضلاع کے نمائندے ووٹ کے ذریعے یہ فیصلہ کریں گے کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا بھارت میں ۔اگر وہ تقسیم کے حق میں رائے دیں تو حد بندی کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا۔

۳۔صوبہ سندھ کی قانون ساز اسمبلی کثرت رائے سے یہ فیصلہ کرے گی کہ وہ صوبہ سندھ کو بحیثیت مجموعی بھارت میں شامل کرنا چاہتی ہے یا پاکستان میں۔

۴۔شمال مغربی سرحدی صوبہ اور آسام کے ضلع سلہٹ کے عوام استصواب رائے سے فیصلہ کریں گے کہ وہ کس ریاست سے الحاق کرنا چاہتے ہیں۔

۵۔صوبہ بلوچستان کی پاکستان میں شمولیت یا عدم شمولیت کا فیصلہ شاہی جرگہ یا میونسپل کمیٹی کرے گی۔

۶۔چھوٹی بڑی شاہی ریاستیں جنہیں دیسی ریاستیں بھی کہتے ہیں۔پاکستان یا بھارت میں شمولیت کے لیے خودمختار ہوگی۔

۷۔حکومت برطانیہ جون1948ء سے پہلے انتقال اقتدار کے لیے تیار ہے۔اس مقصد کے لیے اسی سال پارلیمنٹ میں مسودہ قانون پیش کیا جائے گا اور منظوری کے بعد ایک یا دو ریاستوں کو درجہ نو آبادیات کی بنیاد پر اقتدار منتقل کردیا جائے گا۔

تقسیم کے اس منصوبے کو مسلم لیگ اور کانگرس دونوں نے قبول کیا۔سلہٹ اور صوبہ سرحد میں رائے شماری کرائی گئی۔انہوں نے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا اور اسی طرح سندھ کی اسمبلی اور بلوچستان کے جرگہ اور کوئٹہ میونسپل کمیٹی نے بھی پاکستان میں شمولیت کے حق میں فیصلہ دیا۔بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا فیصلہ ہوا۔نئی سرحدوں کے تعین کے لیے وائسرے نے30جون1947ء کو پنجاب اور بنگال میں حد بندی کمیشن مقرر کیے۔ایک انگریز قانون دان مسٹر ریڈکلف کو دونوں کمیشنوں کا چیئرمین مقرر کیا گیا۔اختلافات کی صورت میں اسے ثالثی فیصلہ کرنے کا بھی اختیار دیا گیا۔اس کمیشن نے جو فیصلہ کیا اسے ریڈکلف ایوارڈ کہتے ہیں۔

ریڈکلف ایوارڈ میں سرحدوں کے بارے میں جو اعلان کیا گیا تھا وہ انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا تھا۔ماؤنٹ اور ریڈکلف نے کانگرس نوازی اور ہندو دوستی کا پورا پورا ساتھ دیا۔پاکستان سے متصلہ مسلم اکثریت کے علاقے بھارت کے حوالے کردیے گئے۔گورداسپور کا مسلم عالقہ بھارت کو دے کر کشمیر تک اسکی

رسائی کو ممکن بنادیا۔اسی قسم کی دیگر بے انصافیاں سابقہ مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) کی حد بندی کے سلسلے میں بھی کی گئیں۔قیمتی اثاثوں اور فوجی ساز وسامان کی تقسیم کے متعلق بھی بہت دھاندلیاں ہوئیں۔اسلحہ اور فوجی ساز وسامان میں سے پاکستان کو اسکا جائز حصہ نہ دیا گیا۔جو سامان دیا گیا وہ بھی بے کار اور ٹوٹا پھوٹا تھا۔تمام اسلحہ ساز فیکٹریاں بھارت کے علاقے میں تھیں۔پاکستان نے مطالبہ کیا کہ اسے بھی اسلحہ ساز فیکٹریوں کی مشینری کا حصہ دیا جائے لیکن بھارت نے اسکے بدلے میں کچھ رقم دینے کا وعدہ کیا۔بھارت نے اس وعدے کی بھی خلاف ورزی کی اور پوری ادائیگی نہ کی۔گویا لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوؤں کے ساتھ مل بھگت کرکے پاکستان کو کم ساز وسامان، کم اثاثے اور کم رقبہ دے کر اسے ہر لحاظ سے زک پہنچانے کی کوشش کی۔

قیام پاکستان:۔

18جولائی1947ء کو برطانوی پارلیمنٹ نے قانون آزادی ہند1947ء منظور کیا۔اسکی رو سے برصغیر میں دو آزاد خودمختار مملکتیں وجود میں آئیں۔

13اگست1947ء کو وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کراچی پہنچے۔ 14اگست1947ء کو قائداعظم محمد علی جناحؒ اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن ایک جلوس کی شکل میں دستور ساز اسمبلی کی عمارت میں پہنچے۔وائسرائے نے باضابطہ طور پر قائداعظم کو نئی مملکت کے اختیارات منتقل کردیے۔قائداعظمؒ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے۔لیاقت علی خان مملکت خداداد پاکستان کے پہلے وزیراعظم مقرر ہوئے۔اس طرح ایک آزاد اور خودمختار اسلامی مملکت کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوگیا۔قائداعظمؒ نے اپنی فہم وفراست اور خدائے ذوالجلال کی مدد سے ایک ناممکن کام کو ممکن کردکھایا۔

مشقی سوالات

(الف) جواب لکھیں۔

۱۔قرارداد پاکستان کب اور کہاں پیش ہوئی؟ نیز اسکی اہمیت واضح کریں۔

۲۔کرپس کی تجاویز کو مسلم لیگ نے کیوں رد کیا؟

۳۔1945-46 کے انتخابات نے قیام پاکستان کو یقینی بنایا تھا۔بحث لکھیں۔

۴۔ 3 جون 1947ء کے منصوبے کے اہم نکات لکھیں۔

(ب) لکیر کے ایک جانب واقعات درج ہیں جبکہ دوسری جانب چند واقعات رونما ہونے کے سن درج ہیں۔ ہر ایک کے آگے صحیح سن کے نمبر شمار کا حوالہ دیں۔ کچھ زائد بھی ہو سکتے ہیں اور کچھ واقعات ایک ہی سن میں رونما ہو سکتے ہیں۔

واقعات	سن
۱۔ کانگرس وزارتوں کا قیام۔	1 - 1947ء
۲۔ مسلم لیگ کی طرف سے یوم نجات۔	2 - 1949ء
۳۔ شملہ کانفرس کا انعقاد۔	3 - 1929ء
۴۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرئے ہند کا عہدہ سنبھالنے کے لیے دہلی پہنچا۔	4 - 1937ء
۵۔ برصغیر کی آزادی کے منصوبے کا اعلان۔	5 - 1938ء
۶۔ قرارداد پاکستان منظور ہوئی۔	6 - 1945ء
۷۔ قائداعظمؒ نے چودہ نکات پیش کیے۔	7 - 1930ء
۸۔ خطبہ الٰہ آباد۔	6 - 1939ء

(ج) **عملی کام**

سکول کے زیر اہتمام قیام پاکستان کی تقریب میں حصہ لیں۔

باب نمبر 5

اقوام متحدہ

مقصد قیام:۔

گزشتہ صدی کے آغاز ہی سے امن عالم کی حالت بہت خراب تھی۔ دنیا کے مختلف ممالک معمولی تنازعات کی بنا پر ایک دوسرے سے لڑتے رہتے تھے۔ اور ایک دوسرے سے اپنی طاقت کا لوہا منوانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ اس وجہ سے دنیا میں کسی نہ کسی حصے میں جنگ کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے۔ چنانچہ پچھلی صدی میں دو مرتبہ پوری دنیا خوفناک عالمی جنگ کی لپیٹ میں آ چکی ہے۔ پہلی جنگ عظیم (1914ء۔1918ء) اور دوسری عالمی جنگ (1939ء۔1945ء) کو ہوئی۔ ان جنگوں کی وجہ سے بے شمار لوگ لقمۂ اجل ہوئے اور بہت سے ممالک تباہی کا شکار ہوئے۔

پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر لیگ آف نیشنز قائم ہوئی۔ اس ادارے نے اپنے قیام کے قریباً 25 سال کے دوران عالمی قیام امن کی کوششیں کیں مگر اسکے باوجود 1939ء میں دوسری جنگ عظیم چھڑ گئی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جب شدید لڑائی ہو رہی تھی اور جنگ میں شریک ممالک ایک دوسرے کو تباہ کرنے کے ارادے سے بموں کی بارش کر رہے تھے۔ ایسے میں دنیا کے چند بڑے سیاست دان ایک ایسے عالمی ادارے کی تشکیل کے بارے میں سوچنے لگے جو آنے والی نسلوں کو جنگ کے عذاب سے بچا سکے اور بنیادی انسانی حقوق پر کامل یقین رکھتے ہوئے ہر قوم کی بہتری کیلئے کوشش کرے۔ اس احساس اور سوچ کے نتیجے میں اقوام متحدہ کے قیام کا تصور بتدریج پروان چڑھا۔

اگست 1941ء میں جب دوسری جنگ عظل کو شروع ہوئے دو سال ہو گئے تھے تو امریکہ کے صدر مسٹر روزویلٹ اور برطانیہ کے وزیراعظم مسٹر طرطل نے ایک اعلان میں اقوام متحدہ کے قیام کی ضرورت پر زور دیا۔ بعد میں یہ اعلان اٹلانٹک چارٹر کے نام سے مشہور ہوا۔ یکم جنوری 1942ء کو 26 قوموں نے اس تصور سے اتفاق کرتے ہوئے اس چارٹر پر دستخط کیے۔ اور بعد میں مزید 21 قوموں نے اٹلانٹک چارٹر کو سراہتے ہوئے اس سے وابستگی کا اعلان کر دیا۔ اکتوبر 1943ء میں روس کے شہر ماسکو میں چین، روس، برطانیہ اور امریکہ نے

دنیا کو امن کے قیام کی خاطر ایک بین الاقوامی ادارے کے لیے ابتدائی تجاویز کا خاکہ پیش کیا۔ مجوزہ بین الاقوامی ادارے کے قیام کی تجاویز کے خاکے پر غور کرنے لے لیے جون 1945ء میں امریکہ کے شہر سان فرانسسکو میں ایک کانفرس منعقد ہوئی۔ اس میں اقوام متحدہ کے چارٹر کو آخری شکل دی گئی اور پچاس ممالک نے اس پر دستخط کیے، اس طرح 24 اکتوبر 1945ء کو اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آگیا۔ اقوام متحدہ کے وجود میں آنے سے دوسری جنگ عظیم بھی ختم ہوگئی۔

اقوام متحدہ کے مقاصد:۔

اقوام متحدہ کے قیام کے وقت اسکے مقاصد اور ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے کچھ اصول اور ضوابط طے کیے گئے تا کہ اسکے قیام کا مقصد اور افادیت پوری دنیا پر صحیح طور پر واضح ہوجائے۔ اس غرض سے اقوام متحدہ کا چارٹر منظور کیا گیا جس میں درجہ ذیل اہم مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔

ا۔ بین الاقوامی امن وسلامتی قائم کرنا۔

۲۔ دنیا سے غربت، جہالت اور بیماری دور کرنے کے لیے مل جل کر کام کرنا۔

۳۔ ایک دوسرے کے حقوق اور آزادیوں کا احترام کرنا۔

۴۔ قوموں کے مابین دوستانہ تعلقات استوار کرنا۔

۵۔ اقوام متحدہ کے مقاصد کے حصول کے لئے مختلف قوموں کے اقدامات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے مرکزی کردار ادا کرنا۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے اقوام متحدہ کے تحت چھ بنیادی ادارے قائم کیے گئے۔ ان اداروں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے رکن ممالک اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مالی امداد فراہم کرتے ہیں۔ ان اداروں میں جنرل اسمبلی، سلامتی کونسل، اقتصادی اور معاشرتی کونسل، تولیتی کونسل، عالمی عدالت اور اقوام متحدہ کا سیکرٹریٹ شامل ہیں ان اداروں کا مختصر تعارف ذیل میں درج ہے۔

جنرل کونسل:۔

چارٹر کے مطابق جنرل اسمبلی اقوام متحدہ کا سب سے بڑا ادارہ ہے۔ تمام رکن ممالک اسکے ممبر ہوتے ہیں۔ رکن ممالک جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہوکر چھوٹے بڑے تمام مسائل اور امور پر بحث کر سکتے

ہیں۔ بشرطیکہ یہ مسائل اور امور اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق اسکے دائرہ کار میں ہوں۔ عام مسائل سادہ اکثریت سے طے کیے جاتے ہیں۔ جبکہ اہم نوعیت کے معاملات طے کرنے کے لیے دوتہائی اکثریت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر ممبر ملک پانچ نمائندے بھیج سکتا ہے لیکن اسے صرف ایک ووٹ دینے کا حق ہوتا ہے۔

اقوام متحدہ کا صدر دفتر امریکہ کے شہر نیویارک میں واقع ہے جہاں رکن ممالک کے نمائندے ہر وقت موجود رہتے ہیں تا کہ اگر کسی اہم اور فوری نوعیت کے مسئلے پر جنرل اسمبلی کا ہنگامی اجلاس بلانے کی ضرورت ہو تو تمام رکن ممالک اس میں شریک ہوسکیں۔ اگر کوئی مسئلہ سلامتی کونسل میں زیر غور ہو تو جنرل اسمبلی اس پر غور نہیں کرسکتی لیکن اگر سلامتی کونسل کسی مسئلے سے نمٹنے سے قاصر ہو تو جنرل اسمبلی اسکو اپنی تحویل میں لے سکتی ہے اور ضرورت کے مطابق مسلح مداخلت کی سفارش بھی کرسکتی ہے۔ جنرل اسمبلی کا اجلاس ہر سال ستمبر میں ہوتا ہے۔ لیکن خصوصی اجلاس کسی وقت بھی بلایا جاسکتا ہے۔ جنرل اسمبلی ہر سال اپنا صدر منتخب کرتی ہے، نیز مختلف مسائل کے حل کے لئے کمیٹیاں مقرر کرتی ہے اور انکی رپورٹ پر کاروائیاں کرتی ہے۔

سلامتی کونسل:۔

سلامتی کونسل اقوام متحدہ کا سب سے اہم ادارہ ہے۔ اسکے ذمے بین الاقوامی امن وسلامتی قائم رکھنا ہے۔ اسکے ممبروں کی تعداد پندرہ ہے۔ ان میں پانچ مستقل اور دس غیر مستقل ممبر ہیں۔ امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور عوامی جمہوریہ چین مستقل ممبر ہیں۔ جبکہ غیر مستقل ممبر کو جنرل اسمبلی کے اجلاس میں دوسال کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ سلامتی کونسل کے مستقل ممبروں کو ویٹو کا حق حاصل ہے۔ ویٹو کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ممبر کسی مسئلے سے متعلق نفی ووٹ دے تو اس مسئلہ کا فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ بالفاظ دیگر کسی مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لیے سلامتی کونسل کے پندرہ میں سے نو ارکان کا اسکے حق میں رائے دینا ضروری ہوتا ہے۔ اس میں مستقل ممبران کی رائے کا مسئلے کے حق میں شامل ہونا ضروری ہے۔ اگر سلامتی کونسل کا کوئی ممبر ملک کسی ایسے تنازعہ میں فریق ہو جس کی بحث سلامتی کونسل کے اجلاس میں ہورہی ہو تو اسکو فیصلے میں ووٹ دینے کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

سلامتی کونسل کا اجلاس کسی مسئلے کی نوعیت کے لحاظ سے کسی بھی وقت طلب کیا جاسکتا ہے۔ سلامتی کونسل کسی بھی ایسے مسئلے پر غور کرسکتی ہے جسکی وجہ سے دنیا میں امن وسلامتی کو خطرہ لاحق ہو اور اس مسئلے کے حل کے لیے اپنی سفارشات بھی پیش کرسکتی ہے۔ وہ جارح ملک کے خلاف اقتصادی پابندیوں کی سفارش بھی کرسکتی ہے تا کہ ملک

کو جارحانہ کاروائیوں سے باز رکھا جاسکے۔ اسکے خلاف فوجی کاروائی کی سفارش بھی کرسکتی ہے۔ ان سفارشات کا ماننا اقوام متحدہ کے رکن ممالک کا اخلاقی فرض ہے۔ سلامتی کونسل کے صدر ہر ماہ بدلتے رہتے ہیں۔ کونسل کے رکن ممالک حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق باری باری صدر بنتے ہیں۔

اقتصادی و معاشرتی کونسل:۔

اقوام متحدہ کا یہ ادارہ چودہ ارکان پر مشتمل ہے۔ اسکے ممبروں کا انتخاب براہ راست جنرل اسمبلی کرتی ہے۔ اور اسکی رکنیت کی میعاد تین سال ہوتی ہے۔ لیکن ان میں سے ایک تہائی ممبروں کی رکنیت ہر سال ختم ہوجاتی ہے۔ اور انکی جگہ جنرل اسمبلی کو ہر سال نئے ممبر منتخب کرکے کونسل میں بھیجنے ہوتے ہیں۔

اس کونسل، یہ دائرہ کار میں اقوام متحدہ کے رکن ممالک کے اقتصادی اور معاشرتی مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔ اس کونسل کے سال میں دو اجلاس ہوتے ہیں۔ اسکے علاوہ ضرورت کے مطابق کسی وقت بھی اجلاس طلب کیا جاسکتا ہے۔ یہ کونسل حسب ضرورت کمیٹیاں اور کمیشن مقرر کرتی ہے۔ جن کے ذریعے خاص نوعیت کے مسائل حل کیے جاتے ہیں۔ یہ کونسل بین الاقوامی اقتصادی، تعلیمی، صنعتی اور دیگر متعلقہ امور کا مطالعہ کرتی ہے۔ اور اسکی بنا پر اپنی رپورٹیں اور سفارشات مرتب کرتی ہے۔ اسکے علاوہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادی کے احترام کو فروغ دینے کی غرض سے اپنی سفارشات اقوام متحدہ کو پیش کرتی ہے۔ تاکہ ان پر موثر عمل درآمد کے ذریعے رکن ممالک کی بہتری کے لیے کام کیا جاسکے۔ اس کونسل کے زیر نگرانی کئی اہم کمیشن کام کررہے ہیں جن میں شماریات کے متعلق کمیشن، آبادی کے متعلق کمیشن اور انسانی حقوق کے متعلق کمیشن شامل ہیں۔ انکے علاوہ علاقائی کمیشنوں میں یورپ، ایشیا، مشرق بعید، لاطینی امریکہ اور افریقہ کے اقتصادی کمیشن زیادہ اہم ہیں۔

تولیتی کونسل:۔

اس کونسل کو ایسے علاقوں کی نگرانی اور بھلائی کا کام سونپا گیا ہے جو کبھی لیگ آف نیشنز کی زیر نگرانی تھے یا جنھیں دوسری جنگ عظیم کے بعد اقوام متحدہ نے براہ راست اپنی تولیت میں لے لیا تھا۔ ایسے علاقوں کا بہتر طور پر انتظام چلانے کے لیے اقوام متحدہ نے انہیں رکن ممالک میں سے کسی ایک کے سپرد کردیا تھا۔ اقوام متحدہ کے ایسے رکن ممالک تولیتی علاقوں کا انتظام چلانے کے بارے میں اس کونسل کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔ تولیتی کونسل کو یہ خیال بھی رکھنا ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ نے جن ملکوں کو بعض علاقوں کی تولیت سونپی ہے، وہ

مناسب طور پر اپنی ذمہ داری نبھا رہے ہیں۔ اور تولیتی علاقوں کا انتظام چلانے کے ساتھ ساتھ انکی سیاسی، معاشی اور معاشرتی ترقی کیلئے بھی ضروری اقدام کررہے ہیں۔ نیز بنیادی انسانی حقوق کا خیال رکھ رہے ہیں۔ تولیتی کونسل ان رپورٹوں پر بھی غور کرتی ہے جو تولیتی عالقوں کا نظم ونسق چلانے والے ممالک بھجواتے ہیں نیز اپنے وفود تولیتی علاقوں میں بھیج کر صحیح حالات اور ضروری معلومات حاصل کرتی ہے تاکہ افراد یا اداروں کی طرف سے بھیجی جانے والی شکایات کا جائزہ لیا جاسکے۔

عالمی عدالت:۔

اقوام متحدہ کے اس اہم ادارے کی تعداد پندرہ ججوں پر مشتمل ہے۔ ان ججوں کا انتخاب جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل کرتی ہے۔ انکے عہدے کی میعاد نو سال ہوتی ہے۔ تمام جج صاحبان اپنے اجلاس میں عالمی عدالت کے صدر کا انتخاب خود کرتے ہیں اور اسکے صدر کے عہدے کی میعاد تین سال ہوتی ہے۔ ایک وقت میں کسی بھی ملک سے ایک سے زائد جج منتخب نہیں کیے جاسکتے۔ عالمی عدالت کا اپنا آئین ہے۔ اس عدالت میں عالمی نوعیت کے فیصلے کیے جاتے ہیں اور تمام فیصلے اکثریت رائے کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں۔

عالمی عدالت میں ایسے تمام معاملات اور تنازعات زیر غور آسکتے ہیں جن کا تعلق بین الاقوامی قانون یا کسی معاہدے کی تشریح سے ہو۔ اقوام متحدہ کے چارٹر کی کسی شق کی تشریح کا معاملہ بھی اس عدالت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ عدالت بین الاقوامی قانون اور اقوام متحدہ کے چارٹر سے متعلق مشاورتی رائے بھی دے سکتی ہے۔ اقوام متحدہ کے ہر ممبر ملک کا فرض ہے کہ عالمی عدالت کے فیصلوں کا احترام کرے۔

سیکریٹریٹ:۔

اقوام متحدہ کا سیکریٹریٹ امریکہ کے شہر نیویارک میں واقع ہے۔ اسکا کام انتظامی فرائض کی انجام دہی ہے۔ سیکریٹریٹ کا سربراہ سیکرٹری جنرل کہلاتا ہے۔ اسے سلامتی کونسل کی سفارش پر جنرل اسمبلی منتخب کرتی ہے اور سیکریٹریٹ کا دوسرا عملہ سیکرٹری جنرل خود مقرر کرتا ہے۔ سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ کے رکن ممالک کے مسائل کی طرف خاص توجہ دیتا ہے اور ایسے معاملے یا تنازعے کی طرف سلامتی کونسل کی توجہ مبذول کراسکتا ہے جس سے بین الاقوامی امن وسلامتی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہو۔ رکن ممالک کے باہمی تنازعات کو گفت وشنید کے ذریعے حل کرانے کے لیے ذاتی دلچسپی لینا اور متنازعہ مسائل کو طے کرانا بھی اسی کی ذمہ داریوں میں شامل

ہے۔اقوام متحدہ کے سیکریٹریٹ کو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔سیکرٹری جنرل ہر سال اسمبلی کے اجلاس میں اپنی رپورٹ پیش کرتا ہے جس میں اقوام متحدہ کی سال بھر کی کارکردگی کا جائزہ شامل ہوتا ہے۔

اقوام متحدہ کے مخصوص ادارے:۔

اقوام متحدہ نے رکن ممالک کی بہتری اور ترقی کے لیے مخصوص ادارے بھی قائم کر رکھے ہیں۔جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے ذمہ داریوں کو سنبھالے ہوئے ہیں۔اور اس طرح دنیا میں آباد مختلف اقوام کی گراں قدر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔اسکے مشہور اداروں کے نام یہ ہیں۔عالمی ادارہ صحت، بچوں کا عالمی فنڈ، سائنسی اور ثقافتی ادارہ (یونیسکو)، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ، ادارہ خوراک وزراعت اور عالمی بینک۔

عالمی ادارہ صحت:۔

یہ ادارہ 1948ء میں قائم ہوا۔اس ادارے کا بنیادی مقصد اقوام متحدہ کے رکن ممالک میں بیماریوں کے خلاف جدوجہد کی اہلیت پیدا کرنا، ہر شخص کی ذہنی وجسمانی صحت کو بہتر بنانے کے بارے میں تجاویز پیش کرنا اور عملی طور پر ہر ملک کی مدد کرنا ہے۔یہ ادارہ رکن ممالک میں علاج کے مؤثر اور بہتر طریقے دریافت کرنے کی غرض سے طبی تحقیق میں مطالعے اور لیبارٹری کے لیے مالی اور ضرورت کے مطابق دوسری امداد فراہم کرتا ہے۔اس طرح مختلف ممالک کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بنی نوع انسان کی خدمت کرتا ہے۔اسکے علاوہ یہ ادارہ ترقی پذیر ممالک کے ڈاکٹروں، نرسوں اور دوسرے متعلقہ عملے کی تربیت کے لیے مالی امداد فراہم کرتا ہے۔اور مختلف بیماریوں کی روک تھام کے لیے متعلقہ حکام کی مدد بھی فراہم کرتا ہے۔

بچوں کا عالمی فنڈ:۔

دنیا کے بہت سے ممالک ایسے ہیں جنہیں ترقی پذیر کہا جاتا ہے اور غربت کی وجہ سے یہ اس قابل نہیں ہوتے کہ اپنے ملک کے بچوں کی مناسب نشوونما اور فلاح وبہبود کے لیے زیادہ اخراجات کر سکیں۔لہٰذا اقوام متحدہ نے 1946ء میں یہ ادارہ قائم کیا۔یہ ادارہ ترقی پذیر رکن ممالک کے بچوں کی تعلیم وتربیت، خاندانی فلاح وبہبود اور غذائی ضروریات سے متعلق منصوبے مرتب کرتا ہے۔اور انہی ممالک کے تعاون سے انہیں عملی جامہ پہنانے کی غرض سے مالی امداد بھی فراہم کرتا ہے۔اس طرح بچوں کا عالمی فنڈ اقوام متحدہ کے رکن ترقی پذیر ممالک کے بچوں پر صرف ہونے

والے اخراجات برداشت کرکے ملکی فلاح وبہبود میں مدد دیتا ہے۔اسکے فرائض میں بچوں اور ماؤں میں حیاتین کی کمی کو پورا کرنے کے لیے خوراک مہیا کرنا اور بچوں کے لیے طبی مراکز کا قیام بھی شامل ہے۔

تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی ادارہ:۔

یہ ادارہ بھی 1946ء میں قائم کیا گیا تھا۔اسکا بنیادی مقصد یہ ہے۔کہ ترقی پذیر ممالک کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ معیار زندگی کے لحاظ سے دوسرے ممالک کے قریب آسکیں۔اس مقصد کے لیے یہ ادارہ تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی میدانوں میں بین الاقوامی تعاون کو فروغ دینے کی اہم ذمہ داری ادا کرتا ہے۔اس سے مختلف ممالک کے مابین باہم دوستی، تعاون اور اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے۔یہ ادارہ ترقی پذیر ممالک میں انکے تعاون سے تعلیمی ادارے اور اساتذہ کے تربیتی مراکز قائم کرتا ہے۔انکے لیے کتابیں اور تعلیم سے متعلق دوسرا سامان مہیا کرنے کے لیے مالی اور فنی امداد بھی فراہم کرتا ہے۔اسکے علاوہ مختلف ممالک میں علم کی روشنی پھیلانے کی غرض سے تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی کانفرنسیں بھی منعقد کرتا ہے۔ان کانفرنسوں میں ترقی پذیر ممالک کے نمائندوں کو خاص طور پر دعوت دی جاتی ہے تا کہ وہ ترقی یافتہ ممالک کے ترقیاتی تجربات سے فائدہ اٹھا سکیں۔اقتصادی اور معاشرتی ضرورتوں کے مطابق سائنسی اور ثقافتی شعبوں میں مختلف ممالک کے ماہرین تعلیم کے ایک دوسرے کے ملک میں تقرر کا بندوبست بھی یہی ادارہ کرتا ہے۔

بین الاقوامی مالیتی فنڈ:۔

یہ ادارہ اقوام متحدہ کے رکن ممالک کے مابین کرنسی کے تبادلے کی شرح مقرر کرتا ہے اور بین الاقوامی مالیتی واقتصادی نظام کو استوار ومستحکم کرنے کے لیے مختلف تجاویز پیش کرتا ہے۔اس سے ایک ملک کی کرنسی کو دوسرے ملک کی کرنسی میں بدلنے میں مدد دیتا ہے۔بین الاقوامی مالیتی فنڈ کی ذمہ داریوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ رکن ممالک کے زر کی شرح مبادلہ بہتر سطح پر رکھنے میں مدد دے اور مالیاتی مسائل پر حکومتوں کو ضروری مشورے بھی فراہم کرے۔

ادارہ خوراک وزراعت:۔

یہ ادارہ اقوام متحدہ کے رکن ممالک کو خوراک وزراعت کے میدان میں اپنے مشورے اور تعاون

فراہم کرتا ہے جس کی بدولت ترقی پذیر ممالک کھیتی باڑی، ماہی گیری اور جنگلات کے شعبہ جات میں خاطر خواہ ترقی کر رہے ہیں۔ ہر سال پیداوار میں مناسب اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہ ادارہ زراعت کے میدان میں جدید طریقے اپنانے، اچھے بیج کے استعمال، زمین کی دیکھ بھال، قدرتی آفات سے فصلوں کو بچانے اور آب پاشی کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے مدد دینے کے ساتھ ساتھ اپنے ماہرین بھی رکن ممالک کو بھیجتا ہے۔ زرعی ترقی اور خوراک محفوظ کرنے کے منصوبوں پر عملدرآمد کرنے کے لیے مالی امداد بھی فراہم کرتا ہے۔

عالمی بینک:۔

عالمی بینک 1945ء میں قائم ہوا۔ یہ اقوام متحدہ کا ایک ایسا ادارہ ہے جو رکن ممالک کے کم ترقی یافتہ علاقوں کی پسماندگی کو دور کرنے کیلئے قرضے فراہم کرتا ہے۔ اس سے کم ترقی یافتہ ممالک کی اقتصادی نشوونما میں مدد ملتی ہے۔ عالمی بینک ترقی پذیر ممالک میں انکے مختلف منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے آسان اور لمبی مدت کے قرضے فراہم کرتا ہے۔ کم ترقی یافتہ ملک اس رقم کو اپنے پسماندہ علاقوں کی ترقی پر خرچ کرتے ہیں۔ اور اپنے ترقیاتی منصوبوں کو مکمل کر کے عوام کے لیے فلاحی منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ عالمی بینک غیر ملکی سرمایہ کاری کو بھی فروغ دیتا ہے اور نجی کاروباری اداروں کو متعلقہ حکومت کی ضمانت پر اقتصادی اور فنی امداد بھی فراہم کرتا ہے جس سے معاشرتی ترقی کے عمل کی رفتار بہتر ہوتی ہے۔

اقوام متحدہ کی کارکردگی:۔

اقوام متحدہ کے قیام کا مقصد بنی نوع انسان کی خدمت تھا، بحیثیت مجموعی اس ادارے نے قابل تحسین خدمات انجام دی ہیں۔ عالم انسانیت کو ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کیا ہے جس کے ذریعے ہر چھوٹا اور بڑا، امیر و غریب، ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملک بین الاقوامی مسائل پر آزادنہ ماحول میں برابری کے تصور کو سامنے رکھتے ہوئے تبادلہ خیال کر سکتا ہے۔ اپنے نقطہ نظر کا اظہار کر سکتا ہے۔ اس ادارے کے قیام سے افہام و تفہیم کے ذریعے آپس کے مسائل حل کرنے میں مدد ملی ہے۔ اس طرح جنگ و جدل کے نت نئے خدشات کسی حد تک کم ہو گئے ہیں۔ اقوام متحدہ کے تحت کام کرنے والے اداروں نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ خاص طور پر اسکے مخصوص اداروں کی منصوبہ بندی اور عملی تعاون کی بدولت ترقی پذیر ممالک نے سائنسی، تعلیمی، معاشی اور معاشرتی میدان میں خاصی

ترقی کی ہے۔ جہاں تک اقوام متحدہ کے مقاصد کے مکمل حصول کا تعلق ہے، یہ ادارہ اس میں ابھی تک پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس بات کی ذمہ داری اقوام متحدہ کی بجائے اسکے رکن ممالک پر عائد ہوتی ہے۔ بڑے ملک اس سلسلے میں خاص طور سے ذمے دار ہیں۔ اگر تمام رکن ممالک صدق دل سے اقوام متحدہ کے چارٹر پر عمل کریں تو اس کے وقار کو اور زیادہ بلند کیا جا سکے گا اور امن عالم کی صورت حال بہتر ہو جائے گی۔

بین الاقوامی مسئلہ:

کشمیر کا مسئلہ:۔

بھارت اور پاکستان کے مابین کشمیر کا مسئلہ شروع ہی سے متنازعہ چلا آ رہا ہے۔ کشمیر برصغیر کے شمالی علاقے میں واقع ہے۔ پاکستان کے قیام کے وقت اسکی قریباً 80 فیصد آبادی مسلمان تھی۔ وہاں کے مسلمانوں کی خواہش تھی کہ کشمیر کو پاکستان میں شامل کیا جائے، لیکن وہاں کا ڈوگرا راجا پاکستان اور مسلمانوں کے خلاف تھا۔ اس نے انتہائی عیاری سے کام لیتے ہوئے کشمیر کا الحاق بھارت سے کر دیا اور بھارتی فوجوں کو کشمیر میں داخل کر کے یہاں بھارت کا تسلط قائم کر دیا۔ اس پر کشمیری مسلمانوں نے علم جہاد بلند کر دیا اور وادی کے قریباً ایک تہائی حصے کو بھارتی فوجوں سے آزاد کرا لیا۔ جب بھارتی فوجیں کشمیری مجاہدین کے قبضے سے علاقہ چھیننے میں ناکام ہو گئیں تو مزید ناکامی سے بچنے کے لیے بھارت یہ مسئلہ سلامتی کونسل میں لے گیا۔ بھارت نے وہاں یہ موقف اختیار کیا کہ کشمیر کا باقاعدہ الحاق بھارت سے ہو چکا تھا اس لیے یہ علاقہ اب بھارت کا ہے۔ بھارت نے مزید دعویٰ کیا کہ پاکستان نے کشمیر پر حملہ کیا ہے جس کا مطلب بھارت پر حملہ ہے۔ پاکستان نے کشمیر کی بھارت کے ساتھ الحاق کی قانونی حیثیت کو چیلنج کیا اور سلامتی کونسل کو حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے زور دیا کہ کشمیر کے مستقبل کے فیصلہ کا حق اسکے ہندو راجا کو نہیں بلکہ وہاں کی عوام کو ملنا چاہیے۔

سلامتی کونسل نے ایک قرارداد کے ذریعے کشمیر میں جنگ بندی کی اپیل کی۔ چنانچہ یکم جنوری 1949ء کو جنگ بندی عمل میں آئی۔ سلامتی کونسل نے پاکستان کے اس موقف کو تسلیم کر لیا کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ ریاست کے عوام کی مرضی کے مطابق ہوگا اور اس مقصد کے لیے اقوام متحدہ کی زیر نگرانی استصواب کرایا جائیگا۔ سلامتی کونسل کی اس قرارداد کو پاکستان اور بھارت دونوں نے منظور کر لیا۔ سلامتی کونسل کی اس قرارداد کے پہلے حصے پر عمل کرتے ہوئے کشمیر میں مقررہ تاریخ کو جنگ بندی ہو گئی اور جنگ بندی کی خلاف ورزیوں کو روکنے

کیلئے اقوام متحدہ نے جنگ بندی لائن کی نگرانی کیلئے اپنے مبصر مقرر کر دیئے۔

ان ابتدائی مسائل کے طے ہو جانے کے بعد توقع کی جارہی تھی کہ اقوام متحدہ اپنے زیر نگرانی کشمیر میں استصواب رائے کا بندوبست کرے گا۔ اقوام متحدہ نے اس سمت کچھ کوششیں بھی کیں لیکن بھارت اس معاملے میں شروع ہی سے پر خلوص نہ تھا۔ اس نے کشمیر میں آزادانہ استصواب رائے کی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کر دیئے۔ بھارت کو علم تھا کہ کشمیر کے عوام پاکستان کے حق میں ووٹ دیں گے۔ لہذا اس نے ٹال مٹول کی پالیسی اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ کشمیر میں اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے تمام عہدوں پر ہندوؤں کو مقرر کرنا شروع کر دیا۔ وہاں کثیر تعداد میں فوج متعین کر دی۔ اس طرح صورت حال قابو میں کرنے کی کوشش کے بعد بھارت نے کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ قرار دیتے ہوئے استصواب رائے سے صاف انکار کر دیا۔

سلامتی کونسل نے اپنی منظور کردہ قرارداد پر عمل درآمد کرانے کی غرض سے کئی کوششیں کیں تاکہ بھارت کو استصواب رائے پر آمادہ کیا جا سکے جس کو بھارت خود تسلیم کر چکا تھا۔ اس مقصد کے لیے 1957ء میں ایک نمائندے کو مسئلہ کشمیر کا جائزہ لینے کی غرض سے بھارت اور پاکستان بھیجا گیا۔ سلامتی کونسل کے اس نمائندے کو پاکستان نے ہر قسم کے تعاون کی یقین دہانی کرائی، لیکن بھارت نے قرارداد پر عمل درآمد کے سلسلے میں کسی قسم کا تعاون کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ بھارت کو علم ہے کہ پاکستان اور بھارت کے مابین کشمیر کا معاملہ ہمیشہ ہی متنازعہ رہا ہے اور اسی وجہ سے دونوں ملکوں میں کئی جنگیں بھی ہو چکی ہیں۔ اسکے باوجود بھارت نے کشمیر پر ناجائز قبضہ جما رکھا ہے۔ سلامتی کونسل بھی اس مسئلے کو حل کروانے کی کوشش کر چکی ہے لیکن ابھی تک کشمیری عوام کو حق خود ارادیت دلوانے میں ناکام رہی ہے۔ ادھر پاکستان کا موقف ہمیشہ یہ رہا ہے کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق صرف کشمیری عوام کو حاصل ہے۔ بھارت ان پر اپنی مرضی سے قبضہ جمائے رکھنے کا حق نہیں رکھتا۔ لیکن بھارت پر نہ کبھی سلامتی کونسل کی قرارداد کا اثر ہوا ہے اور نہ ہی اس نے کبھی انصاف پسندی کی بات قبول کرنے کی طرف دھیان دیا ہے۔ اس نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اپنے اس وعدے کو بھلا دیا ہے جو اس سلامتی کونسل اور کشمیر کے عوام سے کیا تھا۔ اسکا نتیجہ کسی وقت بھی علاقے کی سلامتی کے لیے بہت خطرناک ہو سکتا ہے۔

قبرص کا مسئلہ:۔

قبرص جو کسی وقت برطانیہ کی نوآبادی کی حیثیت رکھتا تھا، یونان اور ترکی کے درمیان واقع ہے۔ اسکی

آبادی میں یونانی باشندوں کی اکثریت ہے اور ترک قبرصیوں کی تعداد آبادی کا ایک تہائی ہے۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد ترک قبرصیوں کو دستور کے تحت سیاسی، سماجی اور معاشی حقوق کے تحفظات فراہم کیے گئے تھے لیکن کچھ عرصہ بعد یونانی قبرصیوں نے اپنی اکثریت کی بنا پر ترک قبرصیوں کے حقوق غصب کرنے شروع کر دیئے۔ اس سلسلے میں قبرص کے دستور کی کوئی پرواہ نہ کی۔ ترک قبرصیوں نے جب یہ صورتحال دیکھی تو اپنے حقوق کی حفاظت اور بحالی کا مطالبہ کیا۔ جس کو یونانی قبرصیوں نے اپنی طاقت اور کثرت کے بل بوتے پر نظرانداز کر دیا۔ الٹا انہوں نے جزیرہ قبرص کو یونان میں شامل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس سے صورت حال میں مزید خرابی پیدا ہوئی کیونکہ ترک قبرصی آزاد دستوری حیثیت کو برقرار رکھنے کے حامی تھے۔

قبرص کے ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یونانی قبرصیوں نے فوجی طاقت کے ذریعے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح یونان کے تعاون سے ترک قبرصیوں کو مزید ظلم وستم کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ اسکے ساتھ ہی قبرص کو یونان کے ساتھ ملانے کی کوششوں میں بھی تیزی آ گئی۔ یہ صورت حال ترک قبرصیوں کے لیے ناقابل قبول تھی۔ انہوں نے احتجاج کیا۔ یوں ترک قبرصیوں اور یونانی قبرصیوں کے مابین جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اس میں یونان نے یونانی قبرصیوں اور ترکی نے ترک قبرصیوں کا ساتھ دیا۔ ترکی نے ترک قبرصیوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے اپنی فوجیں قبرص میں بھیج دیں۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایک قرارداد کے ذریعے مداخلت کر کے جنگ بند کرا دی۔ متحارب گروپوں کے لیڈروں سے بات چیت شروع ہوئی تاکہ مسئلے کا کوئی پر امن حل تلاش کیا جا سکے۔ ترک قبرصی صرف آئینی حقوق کی حفاظت چاہتے ہیں تاکہ انہیں بھی ترقی کے یکساں مواقع حاصل ہو سکیں۔ پاکستان نے اس مسئلے میں اپنے موقف کا اظہار کرتے ہوئے ترک قبرصیوں کے آئینی حقوق کی بحالی پر زور دیا ہے اور سلسلے میں مکمل تعاون کی یقین دہانی کرائی ہے۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل ابھی تک اس مسئلے کو بھی حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

فلسطین کا مسئلہ:۔

دنیا کی مختلف غیر مسلم اقوام ہمیشہ سے مسلمانوں کی مخالف رہی ہیں اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے سلسلے میں اکثر ایک دوسرے سے تعاون کرتی رہی ہیں۔ ایسی ہی ایک مثال فلسطین کی بھی ہے۔ یہودیوں نے ایک بین الاقوامی سازش کے تحت فلسطین کے مسلمانوں کو انکے گھروں سے نکال کر ملک اسرائیل آباد کر لیا۔ اسی

طرح فلسطین کے مسلمان اپنے علاقے سے محروم ہو گئے اور مہاجرین کی صورت میں مختلف قریبی عرب ممالک میں خیمہ زن ہیں۔ فلسطینی مہاجرین اپنے علاقے واپس لینے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

مسئلہ فلسطین کی وجہ سے عربوں اور اسرائیل کے مابین کئی مرتبہ جنگ ہو چکی ہے۔ 1967ء کی جنگ کے دوران اسرائیل نے فلسطینیوں کو انکے جائز حقوق دینے کی بجائے عربوں کے بہت سے دوسرے علاقوں پر بھی قبضہ کرلیا۔ اسکے نتیجہ میں 1973ء میں عربوں اور اسرائیل کے مابین پھر جنگ ہوئی۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایک قرارداد کے ذریعے جنگ تو بند کرادی لیکن اسرائیل سے عربوں سے چھینے ہوئے علاقے واپس دلانے میں ناکام رہی اور فلسطینیوں کے حقوق بحال نہ کرا سکی۔ فلسطینی آج تک بے وطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ادھر اسرائیل بڑی ڈھٹائی کے ساتھ سلامتی کونسل کی قراردادوں کو تسلیم کرنے سے انکار کیے جا رہا ہے۔

مشقی سوالات

۱۔ اقوام متحدہ کا قیام کب اور کیوں عمل میں آیا؟ مختصر طور پر بیان کریں۔

۲۔ اقوام متحدہ کے چارٹر کے بنیادی مقاصد بیان کریں۔

۳۔ سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالیں۔

۴۔ ویٹو سے کیا مراد ہے؟ نیز بتائیں کہ سلامتی کونسل کے کن ارکان کو ویٹو کے اختیارات حاصل ہیں۔

۵۔ اقوام متحدہ کے مخصوص ادارے کون کون سے ہیں؟ انکی تشکیل اور ذمے داریوں کے بارے میں مختصر طور پر لکھیں۔

۶۔ مسئلہ کشمیر پر مختصر نوٹ لکھیں۔ سلامتی کونسل اس مسئلے کو حل کرانے میں کیوں ناکام رہی؟

۷۔ مسئلہ فلسطین اور مسئلہ قبرص کے خصوصی حوالے سے اقوام متحدہ کی کارکردگی کا جائزہ پیش کریں۔

قومی ترانہ

پاک سر زمین شاد باد کشورِ حسین شاد باد
تو نشانِ عزمِ عالیشان ارضِ پاکستان !
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سر زمین کا نظام قوتِ اخوتِ عوام
قوم ، مُلک ، سلطنت پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد

پرچم ستارہ و ہلال رہبرِ ترقی و کمال
ترجمانِ ماضی ،شانِ حال جانِ استقبال !
سایہء خُدائے ذوالجلال

حفیظ جالندھری